نوائے خادم



شمارہ رمضان تا شوال 1446 ہجری

شہر رمضان الذی انزل فیہ القرآن

زیر سرپرستی

ولی کامل، استاذ العلماء والصلحاء

شیخ التفسیر والحدیث

حضرت مولانا

ابو عبید **خادم حسین** شجاع آبادی صاحب مدظلہ

مہتمم جامعہ ہذا



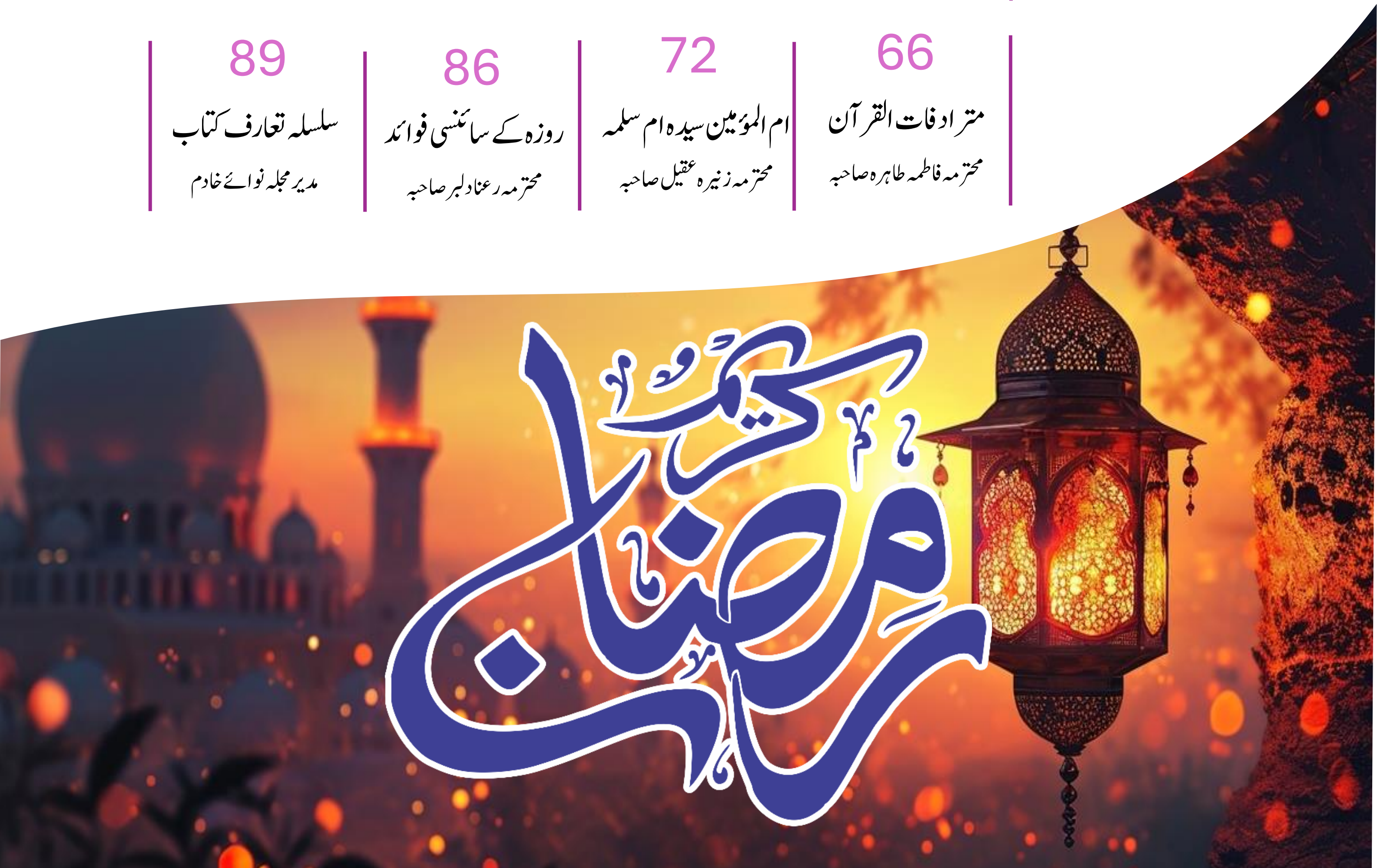
jamiausmania1.blogspot.com
nawaekhadim@gmail.com

شائع کردہ
جمعیت طلباء عثمانیہ



نوائے خادمِ اراکین

فہرست مضامین



اداریہ



محمد داؤد الرحمن علی (مدیر مجلہ نوائے خادم)

رحمتوں، برکتوں، مغفرتوں، جہنم سے آزادی کے پروانوں، رب کو راضی کرنے کے اوقات اپنے اندر سمیٹے رمضان المبارک کا مبارک مہینہ ہم پر سایہ افگن ہو چکا ہے، یہ وہ مہینہ ہے جس میں رحمت کے دریا موجزن، مغفرت کے اعلانات، جہنم سے آزدی کے لمحات، رب کو پانے اور رب کی رضا حاصل کرنے کی صدائیں موجود ہیں۔ یہ وہ مہینہ ہے جس میں خالق ارض وسما نے اپنا کلام قرآن کریم اتارا اور اس میں ہماری رشد و ہدایت کا سامان رکھا۔ یہی وہ مہینہ ہے جس کے استقبال کے لیے فخر کائنات، فخر موجودات، خاتم النبیین، رحمتہ للعالمین ﷺ تیاری فرمایا کرتے تھے۔ یہی وہ مہینہ ہے جو رب کی طرف سے امت محمدیہ ﷺ کے لیے ایک تحفہ ہے۔ سارا سال گناہ میں گزارا، نافرمانیاں کرتے رہے، میرے حکم کی حکم عدولی کرتے رہے، سارا سال اپنی مرضی سے دن گزارے، اب آؤ یہ صرف ایک مہینہ ہماری مرضی سے گزار لو، ہم سے مانگ لو، ہمارے سامنے گڑ گڑا لو، سجدہ ریز ہو جاؤ ہم تمہارے گناہوں پر قلم عف پھیر کر تمہیں اپنی رضا کی سند عطا کر دینگے۔

اللہ کا احسان، فضل، کرم، رحمت سمجھتا ہوں کہ رب ذوالجلال نے ہمیں اس عظیم ماہ مبارک میں ”مجلہ نوائے خادم“ کو شروع کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ الحمدللہ ثم الحمدللہ ”مجلہ نوائے خادم“ کو اس شمارہ کے ساتھ دو سال مکمل ہو گئے۔ یعنی ”مجلہ نوائے خادم“ آج پورے دو برس برس کا ہو گیا۔ اس پر مسرت موقع پر ہم اللہ رب العزت کی بارگاہ عالیہ میں سجدہ شکر ادا کرتے ہیں کہ اللہ پاک کی رحمت و نصرت ہمیشہ شامل حال رہی، اور رب تعالی کی رحمت کے علاوہ یہ ممکن نہ تھا۔

”مجلہ نوائے خادم“ میں جہاں آپ کو قلم نگاروں کے قلم کی روانی نظر آئی، وہیں قلم نگاروں کے علمی جواہرات کے موتی آپ کو میسر ہوئے، وہیں ”قارئین مجلہ نوائے خادم“ کی دید اور حوصلہ افزائی بھی ہے۔ اگر قلم نگاروں کے قلم کی چاشنی و

قارئین کرام کی محبتیں نہ ہوتیں تو شاید ''مجلہ نوائے خادم'' اس مقام پر نہ ہوتا۔ اس پر مسرت موقع پر میں اپنے استاد، اپنے مربی، اپنے شیخ، اپنے روحانی مرشد، اپنے والد گرامی استاذ العلماء شیخ التفسیر والحدیث حضرت مولانا خادم حسین صاحب دامت برکاتہم العالیہ، میرے مشفقین اساتذہ، استاد محترم حضرت اقدس حضرت مولانا محمد احمد قاسمی صاحب مدظلہ (فاضل دیوبند، منتظم اعلیٰ الغزالی فورم)، استاد محترم حضرت مفتی ناصر الدین مظاہری صاحب مدظلہ (استاذالحدیث جامعہ مظاہر العلوم سہارنپور، مدیر آئینہ مظاہر العلوم) برادر کبیر حضرت مولانا محمد عبید الرحمن صدیق صاحب مدظلہ، ڈاکٹر محمد عثمان غنی صاحب مدظلہ و دیگر تمام احباب کا دل کی گہرائیوں سے مشکور و ممنون ہوں کہ ہمہ وقت آپ سب نے میری سرپرستی فرمائی، اپنے مفید مشوروں سے نوازا، اپنی قیمتی آراء دیں جو ہمہ وقت میرے مشعل راہ بنیں۔

میں ہر ایک اس شخص کا مشکور ہوں جس نے اپنا ایک قیمتی لمحہ بھی ''مجلہ نوائے خادم'' کو دیا ہے وہ ہمارے سروں کے تاج ہیں۔

شکریہ آپ سب محبین کا کہ آپ سے حوصلہ ملتا ہے۔

شکریہ آپ سب ناقدین کا کہ آپ سے سیکھنے کو ملتا ہے۔

شکریہ آپ سب قارئین کا جن کے مشوروں سے ''مجلہ نوائے خادم'' نکھرتا ہے۔

شکریہ آپ سب قلم نگاروں کا جن کی بدولت ''مجلہ نوائے خادم'' آپ تک پہنچتا ہے۔

شکریہ انتظامیہ کا کہ آپ کی محنت سے ''مجلہ نوائے خادم'' اُبھرتا ہے۔

شکریہ ہر اس شخص کا جس کی بدولت ''مجلہ نوائے خادم'' چمکتا ہے۔

یہاں خاص طور پر میں اپنی پوری ٹیم کا شکر گزار ہوں، جنہوں نے شب و روز محنت کی، جو میرے ساتھ قدم بہ قدم رہے، جب بھی انہیں ''مجلہ نوائے خادم'' کے بارے میں آواز دی، سب نے لبیک کہا اور اس نیک کام میں میرے دست بازو بنے، شب و روز محنت کی، عمدہ، بہترین، بے مثال ''مجلہ نوائے خادم'' کی تیاری میں، اس کی اشاعت میں کردار ادا کیا۔

رمضان کے ان بابرکت لمحات میں جب بھی اللہ کے حضور ہاتھ بلند کریں، جب بھی رب کائینات سے مانگیں، جب بھی رب کے حضور گڑگڑائیں اس وقت اپنی ان خصوصی دعاؤں میں امت محمدیہ ﷺ کو یاد رکھیں، میرے پیارے بھائیؒ کو بھی خصوصی

دعاؤں میں یاد رکھیں، مجھے اور میری ٹیم کو دعاؤں میں شامل حال رکھیں کہ اللہ پاک تادم آخر دین کا کام ہم سے لیتا رہے۔ آخر میں آپ سب کو ایک بار پھر "مجلہ نوائے خادم" کی کامیابی کا دوسرا سال مبارک ہو۔

دعا گو ہوں اللہ پاک "مجلہ نوائے خادم" کو دن دگنی رات چگنی ترقی نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین!



ایام	رمضان المبارک	مارچ	منتہائے سحر	وقت افطار
اتوار	1	02	5:08	6:03
پیر	2	03	5:07	6:04
منگل	3	04	5:06	6:05
بدھ	4	05	5:04	6:06
جمعرات	5	06	5:03	6:06
جمعۃ المبارک	6	07	5:02	6:07
ہفتہ	7	08	5:01	6:08
اتوار	8	09	5:00	6:08
پیر	9	10	4:58	6:09
منگل	10	11	4:57	6:10
بدھ	11	12	4:56	6:11
جمعرات	12	13	4:55	6:11
جمعۃ المبارک	13	14	4:53	6:12
ہفتہ	14	15	4:52	6:13
اتوار	15	16	4:51	6:13
پیر	16	17	4:49	6:14
منگل	17	18	4:48	6:15
بدھ	18	19	4:47	6:15
جمعرات	19	20	4:46	6:16
جمعۃ المبارک	20	21	4:44	6:17
ہفتہ	21	22	4:43	6:17
اتوار	22	23	4:42	6:18
پیر	23	24	4:40	6:19
منگل	24	25	4:39	6:19
بدھ	25	26	4:37	6:20
جمعرات	26	27	4:36	6:21
جمعۃ المبارک	27	28	4:35	6:21
ہفتہ	28	29	4:33	6:22
اتوار	29	30	4:32	6:23
پیر	30	31	4:30	6:24

صدقہ فطر ۱۴۴۶ھ/2025ء — نصاب جاری کردہ: اسلامی نظریاتی کونسل پاکستان

گندم	جو	کھجور	کشمش
220	450	1650	2500

فدیہ صوم ۱۴۴۶ھ/2025ء

گندم	جو	کھجور	کشمش
6600	13500	49400	75000

درس قرآن



حضرت مولانا خادم حسین صاحب دامت برکاتہم

اہدنا الصراط المستقیم

یہ دعا ہے کیونکہ انسان جب اللہ تعالیٰ کی چار صفات کا اقرار کرلیتا ہے تو بے ساختہ پکار اٹھتا ہے کہ بس ہم تیری ہی عبادت کریں گے اور تجھ سے ہی مدد چاہیں گے یہی صراطِ مستقیم ہے، اس پر استقامت کی دعا کرتا ہے۔ صراطِ مستقیم کے دو مصداق ہیں:

اوّل عبادت واستعانت جیسا کہ دوسری جگہ ہے:

ان اللہ ربی وربکم فاعبدوہ ہٰذا صراطٌ مُّستقیم۔ (آل عمران: ۵۱)

الم اعہد الیکم یا بنی آدم ان لّا تعبدوا الشیطٰن انہٗ لکم عدوٌّ مبین O وان اعبدونی ہٰذا صراطٌ مستقیم O (یٰسٓ: ٦١)

دوم راہِ حق جو کہ اعتقادات، عبادات، معاملات، معاشرات، اخلاقیات سب کو شامل ہے جیسا کہ سورۃ انعام میں ”قل تعالوا اَتْلُ ما حرم“ والے رکوع میں ان سب کو بیان فرما کر آخر میں فرمایا:

اِنَّ ہٰذا صراطی مستقیمًا فاتّبعوہُ ... (الانعام: ۱۵۳)

ہدایت دو قسم پر ہے۔ فطری اور کسبی!!

فطری پیدائشی طور پر ہر ایک ذی روح کو حاصل ہوتی ہے۔ **''واعطٰی کلَّ شیئٍ خلقہٗ ثم ہدٰی''(طٰہٰ: ۵۰)**
''والذی قدَّرَ فہدٰی'' (الاعلیٰ) اسی واسطے بچہ پیدا ہوتے ہی ماں کا پستان چوسنے لگتا ہے، مرغی کا چوزہ بغیر سکھائے دانے چگنے لگتا ہے۔

کسبی چار قسم ہے، ترتیب کے ساتھ۔

(۱)**انابت:''ویہدی الیہ من اناب''**(رعد:)**''ویہدی الیہ من ینیب''**(الشوریٰ:۱۳)...

(۲)**ہدایت:** یہ انابت کے بعد حاصل ہوتی ہے، گذشتہ آیات میں مذکور ہے۔

(۳)**استقامت:''ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا'' (حٰمٓ السجدہ:)**

(۴)**ربط القلب:''وزدنٰہم ہدًی وربطنا علٰی قلوبہم اذ قاموا فقالوا ربنا'' (الکہف: ۱۴)**

ضلالت بھی چار قسم ہے: (۱)**ریب**۔ توحید و حق میں شبہات کا پڑنا (۲)**ضلالت**۔ شبہات کو دور نہ کیا جائے بلکہ پختہ ہو جائیں اور باطل راستے پر چل پڑے (۳)**جدال**۔ انہی باطل نظریات کو ثابت کرنے کیلئے اہلِ حق سے جھگڑا شروع کر دے۔ (۴)**ختم القلب**۔ یعنی مہر جباریت، حق کے مدلل ثابت ہونے کے باوجود اُسے نہیں مانتا بلکہ اُس کے خلاف جدال شروع کر دیتا ہے اور باطل پر ڈٹ جاتا ہے تو مہر جباریت لگ جاتی ہے، دل بند ہو جاتا ہے اُس کے اندر کفر شرک اور نفاق جو بھرا ہے وہ باہر نہیں آتا اور ایمان و یقین اُس کے اندر نہیں جاتا۔ یہ چاروں چیزیں **''ولقد جاء کم یوسف من قبل بالبینات فمازلتم فی شک ٍ ... علٰی کل قلب متکبرٍ جبَّارٍ''(مومن: ۳۴،۳۵)** تک دو آیتوں میں موجود ہیں۔

صراط الذین انعمت علیہم

یہ **'' الصراط المستقیم''** سے بدل ہے اور منعم علیہم جمہور کے نزدیک چار جماعتیں ہیں۔ انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین۔ جو کہ اس آیت میں مذکور ہیں:

ومن یطع اللہ والرسول فاولٰئک مع الذین انعم اللہ علیہم من النبیّٖنَ والصدیقین والشہداء والصالحین۔ (النساء: ۶۹)

غیر المغضوب علیہم ولا الضالین۔

معطوف، معطوف علیہ ہو کر ''**الذین انعمت**'' سے بدل یا صفت واقع ہوتے ہیں اوّل سے مراد یہود، ثانی سے مراد نصاریٰ ہیں اور یہ بھی بطور تمثیل ہیں ورنہ عام مشرکین اور منافقین بھی ان میں داخل ہیں۔ غضب کی نسبت جب اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو ارادہ عقوبت مراد ہوتی ہے، ''**معنی الغضب فی صفت اللہ ارادۃ العقوبۃ**''۔**(قرطبی)**



درس حدیث

حضرت مولانا خادم حسین صاحب دامت برکاتہم

آج کے درس میں نبی کریم ﷺ کے زیر استعمال سواریاں، زیر استعمال چیزیں، آپ ﷺ کے خدام، شعراء، ان سب کے نام درج کیے جائیں گے۔

آپ ﷺ کی سواریاں

آپ ﷺ کے سواری میں مختلف اوقات میں دس گھوڑے رہے ہیں جنکی تفصیل ذیل ہے۔

گھوڑوں کے نام

(۱) **سَکْب** اس کا رنگ کُمیت تھا، غزوۂ اُحد میں اس پر سواری کی اس کا معنیٰ تیز رفتار

(۲) **مُرْتَجِز** آپ نے اسے خریدا تھا اس کے بارے میں خزیمہ بن ثابت نے گواہی دی، رنگ سفید تھا۔

(۳) **لَزَّاز** یہ حضرت مقوقس نے ھدیہ پیش کیا تھا۔

(۴) **لَحِیْف** یہ حضرت ربیعہ نے ھدیہ پیش کیا تھا۔

(۵) **ظَرَب** یہ حضرت فردہ جذامی نے پیش کیا تھا۔

(۶) **وَرْدْ** یہ حضرت تمیم داری نے ھدیہ پیش کیا تھا۔

(۷)**سَبَحہ** یہ یمنی تاجروں سے خریدا اور اس پر تین دفعہ دوڑ فرمائی، اس کے چہرہ پر ہاتھ پھیرا اور فرمایا

ما انت اِلَّا بَحْرٌ۔

(۸) **بحرٌ**

(۹)**ضریس**

(۱۰) **ملاوح**

(۱۱،۱۲)دو نام اور بھی آتے ہیں (۱)**ذو العقال**(۲)**الشمّاء**...کل بارہ ہو گئے۔

تین خچر سواری کے لئے تھے۔

(۱)**دُلْدُلْ** جو شاہ مقوقس کے ھدایا میں تھا۔

(۲) **فَضہّ** حضرت صدیق اکبرؓ نے پیش کیا۔

(۳) **اِیْلِیَہ** جو شاہ ایلیہ نے پیش کیا تھا۔(سیرت الرسول شاہ ولی اللہ)

آپ ﷺ کا ایک گدھا تھا جس کا نام یعفور تھا۔

آپ ﷺ کی اونٹنیاں

بیس اونٹنیاں آپ ﷺ کی شیر دار تھیں جو مدینہ کے قریب مقام غابہ میں تھیں، ایک شیر دار اونٹنی حضرت سعد بن عبادہؓ نے پیش کی اور ایک **قصویٰ** نامی اونٹنی تھی جس پر سوار ہو کر ہجرت کی، اس کے دو نام اور بھی تھے **عضبا**،**جدعاء**۔ بڑی تیز رفتار تھی۔ دوڑ میں اونٹوں سے آگے نکلتی تھی، ایک دفعہ اعرابی اونٹ لایا وہ دوڑ میں آگے نکل گیا، یہ صحابہ کرام پر شاق گذرا تو آپ ﷺ نے فرمایا غالب آنے والی چیز مغلوب بھی ہو جایا کرتی ہے۔(ابو داؤد، سیرت الرسول)

بکریاں

آپ ﷺ کی سو بکریاں تھیں آپ نے یہ اصول بنا رکھا تھا جب کوئی بکری بچہ دیتی تو آپ ﷺ اس کی جگہ بڑی بکری ذبح کر دیتے۔ بکریوں کی تعداد سو رکھتے تھے۔(ابو دائود)

آپ ﷺ کی ایک بکری کا نام **غوثہ** یا **غیثہ** تھا۔(اُسد الغابہ)

ہتھیار و آلاتِ حرب

آپ ﷺ کی نو تلواریں تھیں جنکی تفصیل درج ذیل ہے۔

ذوالفقار غزوہ بدر میں بنو الحجاج کے مال غنیمت سے دستیاب ہوئی۔

قلعی،**تبار**،**حتف** غزوہ بنی قینقاع میں مال غنیمت میں ملی۔

مخذم اور **رسوب**

عضب حضرت سعد بن عبادہؓ نے پیش کی۔

قضیب یہ سب سے پہلی تلوار ہے جس کو آپ ﷺ نے حمایل بنایا۔

سیف موروثی یہ تلوار آپ کو والد کی میراث میں ملی۔

پانچ نیزے

ایک کا نام **مثنیٰ** یا **مثویٰ** تھا اور تین نیزے غزوہ بنی قینقاع سے حاصل ہوئے اور ایک چھوٹا نیزہ تھا جو عیدین کے موقعہ پر آپ ﷺ کے سامنے بطور سُترہ گاڑا جاتا تھا۔ایک ترکش اور چار کمانیں تھیں۔ایک ڈھال تھی جو آپ ﷺ کو ھدیہ میں ملی اس پر کرگس کی تصویر تھی، آپ نے اپنے دونوں ہاتھ اس پر رکھے تو وہ غائب ہوگئی۔ آپ ﷺ کے پاس ایک لاٹھی تھی جس کا سر مڑا ہوا تھا جسے ہم بید کہتے ہیں۔ اور ایک عصا تھا جسے **عرجون** کہا جاتا تھا، اور ایک پتلی چھڑی تھی جسے **ممشوق** کہا جاتا تھا۔

آٹھ زرہیں

سعدیہ اور **فضہ** نامی دو زرہیں بنو قینقاع کے ہتھیاروں سے دستیاب ہوئیں۔

ایک **ذات الفضول** نامی زرہ آپ نے غزوہ حنین میں زیب تن فرمائی۔

ایک زرہ داؤد علیہ السلام والی جو انہوں نے جالوت کے قتل کے وقت پہنی تھی آپ کے پاس موجود تھی۔(سیرۃ الرسول ص ٦١)

ذات الوِشاح،**البَتْراء ذاتُ الحوَاشی** اور **الخرنیق** یہ چار نام بھی آپ کی زرھوں کے اسد الغابہ میں آتے ہیں۔(اسد الغابہ ١/١٤٠)

ایک خود (جنگی ٹوپی) تھا جس کا نام **ذو السَّبوع** تھا۔

آپ ﷺ کی قوس کا نام **الکتوم**، تیر کش کا نام **الکافور**، ڈھال کا نام **الزلوق** تھا۔

آپ ﷺ کے دو پیالے تھے **الرَّیان** اور **المُضَبَّب** اور ایک وضو کے لئے پتھر کا برتن تھا جس کا نام **المخَضَّب** تھا۔

فسطاط یعنی خیمے کا نام **الزکی**، آئینہ کا نام **المُدِلَّۃ** اور مقراض کا نام **الجامِع** تھا، اور نعل یعنی جوتے کا نام **الصفراء** تھا۔(اُسد الغابہ)

شعرائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کعب بن مالکؓ، حضرت عبد اللہ بن رواحہؓ، حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ خطیبِ رسول تھے۔(سیرت خیر العباد)

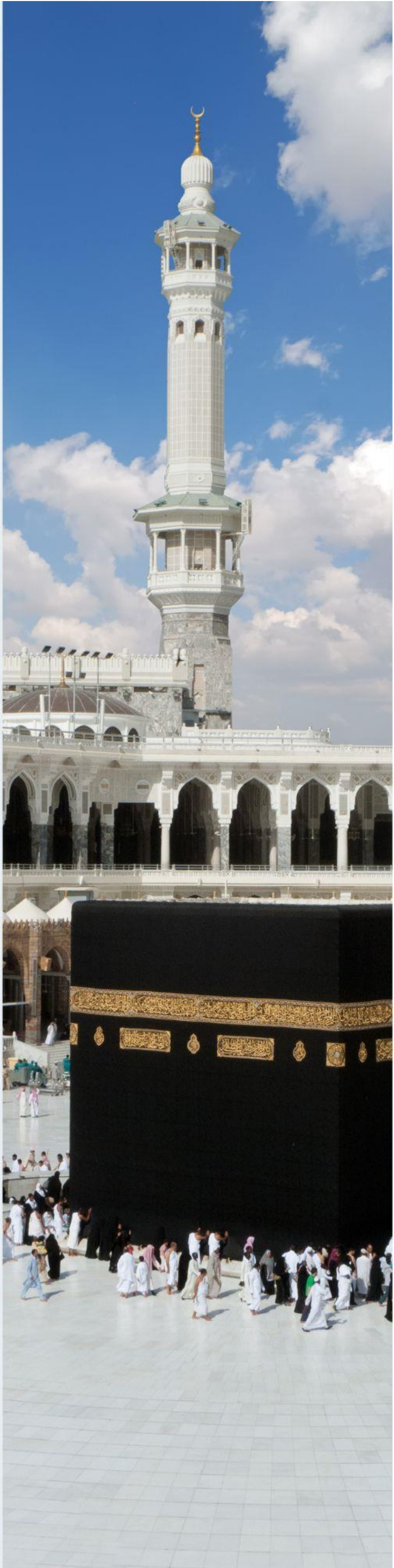
حُدی خوانِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت عبد اللہ بن رواحہؓ، حضرت انجشہؓ، حضرت عامر بن الاکوعؓ، حضرت سلمہ بن الاکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

حمد باری تعالیٰ

اسامہ سرسری

لب پر صبح و شام ہے ”اللہ اللہ“
کتنا پیارا نام ہے ”اللہ اللہ“
نبیوں کا پیغام ہے ”اللہ اللہ“
ولیوں کا الہام ہے ”اللہ اللہ“
لوگو! اپنے کام سے مطلب رکھو
اپنا تو بس کام ہے ”اللہ اللہ“
اللہ، اللہ! آسانی، آسانی
راحت اور آرام ہے ”اللہ اللہ“
معراجِ مومن کا کیا ہے ٹھکانا
آغاز اور انجام ہے ”اللہ اللہ“
اس سے بڑھ کے فضیلت کیا ہو اسامہ!
حامد کا انعام ہے ”اللہ اللہ“



نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم

ایم راقم نقشبندی

ملا ہے خیر کا سامان آپ کے در سے
حضور میری ہے پہچان آپ کے در سے

بہاروں جیسی معطر ہے پُر اثر رونق
جہان بھر میں ہے فیضان آپ کے در سے

بڑے رحیم و کریم آپ ہیں عظیم آقا
جڑے ہمارے ہیں ارمان آپ کے در سے

وہ روم و فارس و مصر و عرب کے جاہ و حشم
بنے ہیں سارے ہی سلطان آپ کے در سے

دوبارہ حاضری کا اِذن بھی عطا کرنا
چلے ہیں روتے یہ مہمان آپ کے در سے

ہو نعت پاک کی دولت نصیب راقم کو
یہ پورا ہوگا جو ارمان آپ کے در سے





حضرت عبداللہ بن مسعودؓ

حضرت مولانا محمد اکرم عثمانی

نام ونسب:۔

نام عبداللہ، کنیت ابوعبدالرحمن اور آپؓ قبیلہ ہذیل سے تعلق رکھتے تھے۔(اسد الغابہ لابن الاثیر الجزری ج۳ص۱۶۷، الاصابہ لابن حجر عسقلانی ج۲ص ۱۱۲۲، سیر اعلام النبلاء للذہبی ج۳ص ۲۰۴)

قبول اسلام:۔

امام ابن العماد الحنبلی ابن الاثیری جزری رحمہ اللہ اور دیگر حضرات نے آپ کے اسلام لانے کا سبب یہ بیان کیا ہے کہ آپ عقبہ بن معیط کی بکریاں چرایاں کرتے تھے۔ ایک دن نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اور حضرت ابوبکر صدیقؓ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے پاس آئے۔ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا: ”اے غلام! کیا تمہارے پاس دودھ والی بکری ہے؟“ عرض کیا: ”جی ہاں، لیکن مجھے اجازت نہیں، یہ بکریاں امانت ہیں۔“ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا کہ کوئی ایسی بکری لے آؤ جو دودھ نہ دیتی ہو۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن

مسعودؓ ایسی بکری لے کر حاضر خدمت ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے شیر دان پہ ہاتھ پھیرا اور دعا کی تو دودھ اتر آیا۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ ایک پتھر لائے، اس میں دودھ نکالا گیا۔ آپ ﷺ نے حضرت ابو بکرؓ کو دودھ پینے کا فرمایا، پھر خود پیا اور حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کو بھی پلایا۔ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ آپ ﷺ کا یہ معجزہ دیکھ کر بول پڑے کہ مجھے بھی یہ بات یا اس قرآن سے سکھا دیجئے۔ تو آپ ﷺ نے ان کے سر کو مسلا اور فرمایا

''انک غلام معلم''

تو ایسا نوجوان ہے جو سیکھنے کے لائق ہے۔

قبول اسلام کے بعد حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ نے کلام اللہ اور کلام رسول اللہ ﷺ کو ایسا سیکھا کہ امت کے امام بن گئے۔

چھٹے صحابی:۔

حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ بعض روایات کے مطابق چھٹے فرد ہیں جو حلقہ اسلام میں داخل ہوئے۔ (اسد الغابہ ج ۳ ص ۱۶۷، الاصابہ ج ۲ ص ۱۱۲۳، سیر اعلام النبلاء ج ۳ ص ۲۰۶)

ایک اور روایت کے مطابق آپ نے حضور ﷺ کے دار ارقم میں داخل ہونے سے پہلے اسلام قبول کر لیا تھا۔ (سیر اعلام النبلاء للذہبی ج ۳ ص ۲۰۷)

حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ قدیم الاسلام صحابی ہیں۔

ستر سورتیں سیکھیں:۔

حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے ستر سورتیں سیکھی ہیں۔ (اسد الغابہ ج ۳ ص ۱۶۷، سیر اعلام النبلاء ج ۳ ص ۲۰۸)

بلند آواز کے ساتھ قرآن کریم کی تلاوت کا اعزاز:۔

رسول اللہ ﷺ کے بعد بلند آواز سے قرآن مجید پڑھنے والے سب سے پہلے شخص سیدنا عبد اللہ بن مسعودؓ ہیں۔ (اسد الغابہ ج ۳ ص ۱۶۷، سیر اعلام النبلاء ج ۳ ص ۲۰۸)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ رسول اللہ ﷺ کی نظر میں:

حضرت عبداللہ بن عمروؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

’’ اقرؤا القرآن من اربعۃ نفر من ابن ام عبد فبدأ بہ‘‘۔

کہ قرآن چار آدمیوں سے پڑھو، ان چار میں سے پہلا نام حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا لیا۔(صحیح مسلم ج۲ ص ۲۹۳، جامع الترمذی ج۲ص ۲۰۱)

حضرت عمار بن یاسرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

’’من احب ان یقرأ القراٰن غضا کما انزل فلیقرء علی قراء ۃ ابن ام عبد ‘‘

جس شخص کو پسند ہو کہ وہ قرآن اس لہجے میں پڑھے جس لہجے میں نازل ہوا تو وہ عبداللہ بن مسعود کی قرأت کے مطابق پڑھے۔(مجمع الزوائدج۹ص ۲۸۷ حدیث ۱۵۵۵۶، مستدرک حاکم ج۴ص۷۹ ۳حدیث:۵۴۴۱)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

’’وما حدثکم ابن مسعود فصدقوہ‘‘

کہ عبداللہ بن مسعودؓ تمھیں جو بیان کریں اس کی تصدیق کرو۔(جامع الترمذی ج۲ص ۲۲۰ مناقب عمار بن یاسر)

حضرت علی المرتضٰی سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

’’لوکنت مؤمرا احدا من غیرمشورۃ لامرت ابن ام عبد۔‘‘

اگر میں کسی کو بغیر مشورہ کے امیر بناتا تو عبداللہ بن مسعودؓ کو بناتا۔(جامع الترمذی ج۲ص ۲۰۱)

فضائل رجب

محمد داؤد الرحمن علی



"رجب" اسلامی قمری سال کا ساتواں مہینہ ہے۔

رجب کا لغوی معنیٰ:۔

"رجب" یہ ترجیب سے نکلا ہے، جس کا معنیٰ ہے "تعظیم کرنا"۔(تفسیر ابن کثیر:7/195، ط:مؤسسة قرطبة)

رجب کی وجہ تسمیہ:۔

رجب کو "رجب" اسی لیے کہا جاتا ہے کہ عرب کے لوگ اِس مہینے کی تعظیم کرتے تھے اور اِس میں جنگ و جدال کو حرام سمجھتے تھے۔(وین في اخبار قزوین:1/165، ط:دار الکتب العلمية)

رجب مضر:۔

احادیث مبارکہ میں اس مہینے کو "رجب مضر" کہا گیا ہے ۔(صحیح البخاري: رقم الحدیث: 4662، صحیح مسلم: رقم الحدیث:4406)

"مضر" دار الاصل عرب کے ایک قبیلے کا نام ہے، یہ لوگ رجب کی بہت زیادہ تعظیم کرتے تھے، اس لیے ان کی طرف نسبت کرتے ہوئے اس مہینے کو "رجب مضر" کہا گیا۔(لسان العرب لابن منظور:1/411، ط:دار صادر)

فضائل رجب:۔

"رجب" کا مہینہ ان چار مہینوں میں سے ہے، جن کو اللہ تعالی نے "اشہُر حُرُم "یعنی حرمت والے مہینے قرار دیا ہے۔

سورۃ توبہ میں اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مہینوں کی تعداد بارہ ہے، جو اللہ کی کتاب (یعنی لوح محفوظ) کے مطابق اس دن سے نافذ چلی آتی ہے، جس دن اللہ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا تھا، ان (بارہ مہینوں) میں سے چار حرمت والے مہینے ہیں۔(التوبہ36)

حضرت ابو بکرؓ کی روایت میں اس طرح آئی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک زمانہ پھر اپنی پہلی اسی ہیئت پر آگیا ہے، جس پر اللہ تعالیٰ نے آسمان وزمین کو پیدا کیا تھا۔ سال بارہ مہینے کا ہوتا ہے، ان میں سے چار حرمت والے مہینے ہیں۔ تین تو لگاتار یعنی ذیقعدہ، ذی الحجۃ، محرم اور چوتھا رجب مضر جو جمادی الاخریٰ اور شعبان کے درمیان میں پڑتا ہے۔(صحیح البخاري: رقم الحدیث:4662، صحیح مسلم: رقم الحدیث:4406)

ابتداء رجب میں نبی کریم ﷺ کی دعا:۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب "رجب" کا مہینہ شروع ہوتا، تو آپ ﷺ یوں دعا فرماتے تھے:

أَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْ رَجَبَ وَشَعْبَانَ وَبَلِّغْنا رَمَضَانَ

اے اللہ! ہمارے لیے ماہِ رجب اور شعبان میں برکت عطا فرمایئے اور ہمیں رمضان تک پہنچایئے۔(الطبراني في "معجمه الأوسط": رقم الحدیث:3939، 4/189)

علامہ ابن حجر ہیتمیؒ نے "ماہ رجب" کے شروع ہونے پر اس دعا کے پڑھنے کو سنت قرار دیا ہے۔(إتحاف أهل الإسلام بخصوصیات الصیام لابن حجر الھیتمي: ص:109، ط: مكتبة طيبة)

حافظ ابن رجب حنبلیؒ نے "ماہ رجب" کے شروع ہونے پر اس دعا کے پڑھنے کو مستحب قرار دیا ہے۔(لطائف المعارف للحافظ ابن رجب: ص:234، ط: دار ابن کثیر، بیروت)

رجب میں عبادت کی فضیلت اور برے اعمال کے گناہ کی شدت:۔

مفتی محمد شفیع عثمانی صاحبؒ نے "معارف القرآن" میں لکھا ہے:

"ان بابرکت مہینوں میں جو شخص عبادت کرتا ہے، اس کو دوسرے مہینوں میں بھی عبادت کی توفیق ہو جاتی ہے، اور جو شخص ان مہینوں میں گناہوں سے بچنے کی کوشش کرے گا، تو اس کے لیے سال کے باقی مہینے بھی گناہوں سے بچنا آسان ہو جاتا ہے"۔(معارف القرآن:4/372،ط:ادارۃ المعارف)

رجب میں روزے رکھنا:۔

ماہ رجب اور بقیہ "اشہُر حُرُم" میں نفلی روزے رکھنا باعث فضیلت ہے:۔

مجیبہ باہلیہ اپنے والد یا چچا سے روایت کرتی ہیں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، پھر چلے گئے اور ایک سال بعد دوبارہ آئے، اس مدت میں ان کی حالت و ہیئت بدل گئی تھی، کہنے لگے: اللہ کے رسول! کیا آپ مجھے پہچانتے نہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: "کون ہو؟" جواب دیا: میں باہلی ہوں، جو کہ پہلے سال بھی حاضر ہوا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا: "تمہیں کیا ہو گیا؟ تمہاری تو اچھی خاصی حالت تھی؟" جواب دیا: جب سے آپ ﷺ کے پاس سے گیا ہوں، رات کے علاوہ کھایا ہی نہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اپنے آپ کو تم نے عذاب میں کیوں مبتلا کیا؟" پھر فرمایا: "صبر کے مہینہ (رمضان) کے روزے رکھو، اور ہر مہینہ میں ایک روزہ رکھو" انہوں نے کہا: اور زیادہ کیجئے، کیونکہ میرے اندر طاقت ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "دو دن روزہ رکھو"، انہوں نے کہا: اس سے زیادہ کی میرے اندر طاقت ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تین دن کے روزے رکھ لو" انہوں نے کہا: اور زیادہ کیجئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "حرمت والے مہینوں میں روزہ رکھو اور (باقی) چھوڑ دو، حرمت والے مہینوں میں روزہ رکھو اور (باقی) چھوڑ دو، حرمت والے مہینوں میں روزہ رکھو اور (باقی) چھوڑ دو"، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تین انگلیوں سے اشارہ کیا، پہلے بند کیا، پھر چھوڑ دیا۔(سنن ابي داود: رقم الحدیث:2428)

محدثین کرام نے لکھا ہے کہ تین انگلیوں سے اشارہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ "اشہُر حُرُم" کے جتنے روزے چاہو رکھو، لیکن تین دن مسلسل رکھنے کے بعد ایک دن یا دو دن چھوڑ دیا کرو۔

بعض محدثین نے کہا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ "اشہُر حُرُم" میں تین دن روزے رکھو اور تین دن چھوڑ دو، پھر تین دن روزے رکھ کر تین دن چھوڑ دو، پھر تین دن روزے رکھ کر تین دن چھوڑ دو اور یہ مطلب زیادہ بہتر ہے۔(عون المعبود: 8/58، ط:دار الکتب العلمیۃ)

رجب کی قربانی:۔

اِسلام سے پہلے عرب رجب کی بہت تعظیم کرتے تھے اور اِس مہینے میں قُربانی بھی کیا کرتے تھے جِسے ”عِتیرۃ“ کہتے تھے، اسلام نے ان کے اِس عقیدے اور عمل کو باطل قرار دیا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ فرع (کی رسم) اور عتیرہ (کی رسم) کوئی چیز نہیں ہے اور فرع اونٹنی کے سب سے پہلے بچے کو کہتے ہیں، جسے (مشرکین) اپنے بتوں کے نام پر ذبح کرتے تھے اور عتیرہ رجب میں ہوا کرتا تھا۔(بخاری، حدیث نمبر:5473)

رجب کی مخصوص نماز:۔

رجب کی پہلی جمعرات کی رات، یا جمعہ کی رات، یا درمیانی رات، یا آخری رات میں خاص مقرر شدہ طریقے سے نماز پڑھی جاتی ہے، جس کو ”صلاۃ الرغائب“ کہا جاتا ہے۔

واضح رہے کہ اس نفل نماز کا کوئی ثبوت نہیں ہے ، اور اس بارے میں جو احادیث بیان کی جاتی ہیں ، وہ سب موضوع (من گھڑت) ہیں، فقہائے کرام نے اسے بدعت قرار دیا ہے۔

علامہ شامی نے لکھا ہے کہ اور اس مسئلہ میں علامہ نور الدین المقدسی رحمہ اللہ کی "ردع الراغب عن صلاۃ الرغائب" کے نام سے ایک بہترین تصنیف ہے، جس میں انہوں نے مذاہب اربعہ کے متقدمین اور متاخرین علماء کرام کے کلام کو جمع کیا ہے۔(رد المحتار:2/26، ط:دار الفکر)

علامہ ابن رجب حنبلیؒ نے اس نماز کے بارے میں لکھا ہے کہ: جمہور علماء کے نزدیک یہ نماز بدعت ہے اور متقدمین تو اس نماز کو جانتے نہ تھے، کیونکہ یہ چار صدیوں کے بعد ظاہر ہوئی۔(لطائف المعارف لابن رجب الحنبلي: ص:228، ط:دار ابن کثیر)

علامہ نووی رحمہ اللہ نے اس نماز کے بارے میں لکھا ہے کہ:" اللہ تعالی اس کے گھڑنے اور ایجاد کرنے والے کو تباہ و برباد کرے، کیونکہ یہ منکرات اور ان بدعات میں سے ہے، جو گمراہی اور جھالت ہیں، اور اس میں کئی ایک ظاہر منکرات پائی جاتی ہیں۔(شرح النووي على صحيح المسلم:20/8، ط:مؤسسة قرطبة)

زکوۃ ادا کرنے کے لیے رجب کے مہینے کو خاص کرنا:۔

بعض علاقوں میں زکوۃ ادا کرنے کے لیے رجب کے مہینے کو خاص کیا جاتا ہے اور اس مہینے میں زکوۃ نکالتے ہیں، حالانکہ شرعاً زکوۃ کے واجب ہونے کا تعلق "رجب" کے ساتھ نہیں ہے، بلکہ زکوۃ اس وقت واجب ہوتی ہے، جب نصاب کے بقدر مال پر ایک سال مکمل ہو جائے، اور سال پورا ہو جائے تو زکوۃ ادا کرنا واجب ہے خواہ مہینہ کوئی بھی ہو۔

علامہ ابن رجب حنبلیؒ لکھتے ہیں کہ سنت میں اس کی کوئی اصل نہیں ہے اور نہ ہی سلف میں معروف ہے۔(لطائف المعارف لابن رجب الحنبلي: ص:231، ط: دار ابن كثير)

رجب کی روٹی:

تبارک کی روٹیاں: ماہ رجب میں کچھ لوگ جمعہ کے دن میٹھی روٹیاں بناتے ہیں اور ان پر اکتالیس مرتبہ سورۃ الملک پڑھواتے ہیں، اس کو میت کی جانب سے صدقہ و خیرات کا نام دیا جاتا ہے، اس رسم کو ثواب اور متبرک سمجھ کر کرنا جہالت ہے۔ سورۃ الملک پڑھنا بذات خود ثواب کا کام ہے، لیکن کسی خاص دن میں اس کا اس طرح اہتمام ثابت نہیں ہے۔(فتاویٰ رشیدیۃ: ص:78، فتاویٰ محمودیۃ:3/282، ط: ادارۃ الفاروق)

رجب کے کونڈے:۔

ماہ رجب میں ایک رسم "کونڈوں" کے نام سے مشہور ہے، جو ۲۲ رجب کو میٹھی چیز تقسیم کرکے منائی جاتی ہے اور مختلف گھڑی ہوئی داستانوں اور واقعات کو بنیاد بنا کر یہ کہا جاتا ہے کہ یہ حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ کی پیدائش کا دِن ہے، لہٰذا اُن کی پیدائش کی خوشی میں یہ جشن کیا جاتا ہے، اور اِسے "رجب کے کونڈے، یا امام جعفر کے کونڈے" کا نام دِیا جاتا ہے۔

کونڈوں کی ایجاد کب ہوئی؟

کونڈوں کی رسم سب سے پہلے ہندوستان میں ۱۹۰۶ء میں شروع ہوئی۔

پیر جماعت علی شاہ کے ایک مرید خاص مصطفیٰ علی خاں نے اپنے کتابچے "جواہر المناقب" میں حامد حسن قادری کا بیان درج کیا ہے "۲۲رجب کی پوریوں والی کہانی اور نیاز سب سے پہلے ۱۹۰۶ء میں رامپور میں اَمیر مینائی لکھنوی کے خاندان میں نکلی

۔

مولوی مظہر علی سندیلوی اپنے ۱۹۱۱ء کے ایک روزنامچے میں کونڈوں کی رسم کی ابتداء پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے:

"آج (میں ۱۹۱۱) مجھے ایک نئی رسم دریافت ہوئی، جو پہلے میری سماعت میں نہیں آئی تھی، اور وہ رسم یہ ہے کہ ۲۱ رجب کو بوقتِ شام میدہ شکر، گھی اور دودھ ملا کر ٹکیاں پکائی جاتی ہیں اور اُن پر اِمام جعفر صادق کا فاتحہ ہوتا ہے اور ۲۲رجب کی صبح کو عزیز و اَقارب کو گھر بلا کر کھلائی جاتی ہیں۔ ٹکیاں باہر نہیں نکلنے پاتیں۔ جہاں تک مُجھے عِلم ہوا ہے اِسکا رواج ہر مقام پر ہوتا ہے، میری یاد میں کبھی اِسکا تذکرہ سماعت میں نہیں آیا، اور اب یہ فاتحہ ہر ایک گھر میں بڑی عقیدت مندی سے ہوا کرتا ہے اور یہ رسم برابر بڑھتی جارہی ہے"۔(کونڈوں کی حقیقت از مولانا محمود الحسن بدیواني: ص:27، ط:مکتبہ اہلحدیث)

کونڈوں کی مروج رسم دشمنانِ صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کی ایجاد ہے:۔

۲۲رجب ٦۰ھ کو صحابیِ رسول، کاتب وحی حضرت امیر معاویہ نے اسلام اور مسلمانوں کی پچاس سال تک خدمت کرنے کے بعد وفات پائی تھی، تو دشمنانِ صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کی خوشی میں ۲۲رجب کو یہ رسم شروع کی، لیکن جس وقت یہ رسم ایجاد ہوئی تو اس وقت شیعہ مسلمانوں سے مغلوب وخائف تھے، اس لیے یہ اہتمام کیا گیا کہ شیرینی اعلانیہ تقسیم نہ کی جائے اور راز پر پردہ ڈالنے کے لیے اس کو ایک روایت گھڑ کر حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ کی طرف منسوب کیا، حالانکہ ۲۲رجب کو حضرت جعفر صادق سے کوئی تعلق نہیں ہے، نہ اِس میں اُن کی ولادت ہوئی نہ وفات۔ حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ کی ولادت ۸رمضان ۸۰ھ یا۸۳ھ کی ہے اوروفات شوال ۱۴۸ھ میں ہوئی۔(سات مسائل از مفتي رشید احمد لدھیانوي: ص:3، ط: دارالافتاء والارشاد کراتشي)

کونڈوں کی رسم کی شرعی حیثیت:۔

حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کونڈوں کی مروجہ رسم مذہب اہلِ سنت والجماعت میں محض بے اصل، خلافِ شرع اور بدعتِ ممنوعہ ہے۔(فتاويٰ محمودية: 3/281، ط: ادارة الفاروق)

مفتی اعظم ہند حضرت مفتی کفایت اللہ دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ کونڈوں کی رسم ایک ایسی ایجاد ہے، جس کے لیے شریعت مقدسہ میں کوئی دلیل نہیں ہے، لہذا اسے ترک کردینا ضروری ہے۔(کفایت المفتي:2/315، ط:ادارۃ الفاروق)

ستائیس رجب کا ہزاری روزہ:۔

بعض لوگ ستائیس رجب کے روزے کا بڑا اہتمام کرتے ہیں اور اسے بڑی فضیلت والا خیال کرتے ہیں حتی کہ اس بارے میں یہ مشہور ہے کہ اس ایک دن کے روزے کا اجر ایک ہزار روزے کے اجر کے برابر ہے، جس کی بنا پر اسے "ہزاری روزے" کے نام سے جانا جاتا ہے۔

اس بارے میں واضح رہے کہ اس کی کوئی اصل نہیں اور پہلے تفصیلاً بیان کیا جاچکا ہے کہ رجب کے روزوں سے متعلق جتنی روایات بیان کی جاتی ہیں، وہ تمام روایات ضعیف یا سخت ضعیف یا منکر اور موضوع (من گھڑت) ہیں۔

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: اس کو عام لوگ "مریم روزہ کا چاند" کہتے ہیں، اور اس کی ستائیس تاریخ میں روزہ رکھنے کو اچھا سمجھتے ہیں کہ ایک روزہ میں ہزار روزوں کا ثواب ملتا ہے، شرع میں اس کی کوئی قوی اصل نہیں، اگر نفل روزہ رکھنے کو دل چاہے، اختیار ہے، خدا تعالیٰ جتنا چاہیں ثواب دیدیں، اپنی طرف سے ہزار یا لاکھ مقرر نہ سمجھے، بعضی جگہ اس مہینے میں "تبارک کی روٹیاں" پکتی ہیں، یہ بھی گھڑی ہوئی بات ہے، شرع میں اس کا کوئی حکم نہیں، نہ اس پر کوئی ثواب کا وعدہ ہے، اس واسطے ایسے کام کو دین کی بات سمجھنا گناہ ہے۔" (بہشتی زیور ص:۲۹۶، ط:توصیف پبلی کیشنز، کراچی)

شب معراج:۔

رجب کی ۲۷ تاریخ کو شب معراج منائی جاتی ہے۔ دن کو روزہ اور رات کو قیام کیا جاتا ہے۔ محافل نعت اور مختلف دینی مجالس منعقد کی جاتی ہیں اور مساجد میں چراغاں وغیرہ کیا جاتا ہے اوران تمام اُمور کو اِس بنیاد پر سرانجام دیا جاتا ہے کہ ستائیس رجب کی رات جناب رسول اللہ ﷺ کو سفر معراج کروایا گیا۔

اس سلسلے میں پہلی بات تو یہ قابل ذکر ہے کہ شبِ معراج کی کسی قسم کی کوئی فضیلت ثابت نہیں ہے:

جناب رسول اللہ ﷺ کا "سفر معراج اور اسراء" بالکل برحق ہے، اس کے انکار کی قطعاً گنجائش نہیں اور معراج کی رات آپ ﷺ کو آسمانوں پر بُلا کر بہت بڑا شرف بخشا گیا، لیکن امت کے لیے اس بارے میں کسی قسم کی کوئی فضیلت ثابت نہیں ہے۔ شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ شبِ قدر اور شبِ معراج ان دونوں راتوں میں سے کون سی

رات افضل ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ نبی اکرم ﷺ کے حق میں "لیلۃ المعراج" افضل ہے اور امت کے حق میں "لیلۃ القدر"، اس لیے کہ اِس رات میں جن انعامات سے نبی اکرم ﷺ کو مختص کیا گیا، وہ ان (انعامات) سے کہیں بڑھ کر ہیں، جو (انعامات آپ ﷺ کو) شبِ قدر میں نصیب ہوئے، اور امت کو جو حصہ (انعامات) شبِ قدر میں نصیب ہوا، وہ اس سے کامل ہے جو (امت کو شبِ معراج میں) حاصل ہوا، اگرچہ امتیوں کے لیے شبِ معراج میں بھی بہت بڑا اعزاز ہے؛ لیکن اصل فضل اور شرف اُس ہستی کے لیے ہے جس کو معراج کروائی گئی، ﷺ (مجموع الفتاويٰ:286/26، ط: مجمع الملک فهد لطباعة المصحف الشريف)

شبِ معراج کی تعیین میں اختلاف ہے:۔

آپ ﷺ کو سفر معراج کب کروایا گیا؟ اِس بارے میں تاریخ، مہینے؛ بلکہ سال میں بھی بہت زیادہ اختلاف پایا جاتا ہے، اس بارے میں (یعنی جس سال میں معراج کروائی گئی) عموماً دس اقوال ملتے ہیں اور اِن اقوال میں سے سب سے زیادہ مشہور قول جس کو ترجیح دی گئی ہے وہ ہجرت سے ایک سال قبل کا ہے۔(فتح الباري لابن الحجر العسقلاني: 203/7، ط: دار المعرفة)

اسی طرح مہینے کی تعیین میں بھی اختلاف ہے کہ واقعہِ معراج کس مہینے میں پیش آیا، ربیع الاول، ربیع الاخر، رجب، رمضان یا شوال، یہ پانچ اقوال ملتے ہیں۔(شرح الزرقاني علي المواهب اللدنية:80/2، ط: دار الكتب العلمية)

اسی طرح شبِ معراج کس تاریخ اور کس رات میں ہوئی؟ اس میں بھی اختلاف ہے۔(کذا في هادي عالم از سید فضل الرحمن:317/1، ط: زوار اکیدمي)

ماہ رجب کی محض اتنی ہی فضیلت ثابت ہے کہ یہ ایک حرمت والا مہینہ ہے، اس لئے اس کے احترام کا تقاضا ہے کہ اس میں خصوصی طور پر گناہوں سے بچنے اور عبادات بجالانے کی کوشش کرنی چاہیے۔

اللہ پاک ہمیں اس ماہ مبارک کی برکات سے استفادہ حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

فضائل و مسائل

زکوۃ



مفتی محمد شمس الرحمن عثمان

زکوۃ کا معنیٰ:۔

زکوۃ کا معنی و مفہوم زکاۃ کے لغوی معنیٰ پاکی اور بڑھنے کے ہیں۔شریعت کی اصطلاح میں ”مخصوص مال میں مخصوص افراد کے لیے مال کی ایک متعین مقدار“ کو زکاۃ کہتے ہیں۔(الاختیار لتعلیل المختار، کتاب الزکوۃ، ج:۱، ص:۹۹، دارالکتب العلمیہ)

زکوۃ کو زکوۃ کہنے کی وجہ تسمیہ:۔

زکوٰۃ کو زکوٰۃ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ جب انسان مال کے ساتھ مشغول ہوتا ہے، تو اس کا دل مال کی طرف مائل ہو جاتا ہے، دل کے اس میلان کی وجہ سے مال کو مال کہا جاتا ہے، اور مال کے ساتھ اس مشغولیت کی وجہ سے انسان کئی روحانی و اخلاقی بیماریوں اور گناہوں میں مبتلا ہو جاتا ہے، مثلاً: مال کی بے جا محبت، حرص اور بخل وغیرہ۔ان گناہوں سے حفاظت اور نفس و مال کی پاکی کے لیے زکوٰۃ و صدقات کو مقرر کیا گیا ہے، اس کے علاوہ زکوٰۃ سے مال میں ظاہری یا معنوی بڑھوتری اور برکت بھی ہوتی ہے، اس وجہ سے بھی زکوٰۃ کا نام زکوٰۃ رکھا گیا۔(نوادر الأصول للترمذی، الأصل الثانی والستون والمائۃ فی صفۃ الأولیاء و حقیقۃ الولایۃ أو التحذیر من إہانتہم، ج:۲، ص:۱۴۶، دارالجیل)

زکوۃ کی فرضیت:۔

زکوۃ اسلام کا ایک اہم ترین فریضہ ہے، اس کی فرضیت شریعت کے قطعی دلائل سے ثابت ہے، جن کا انکار کرنا کفر ہے، ایسا شخص دائرہ اسلام سے اسی طرح خارج ہو جاتا ہے جیسے نماز کا انکار کرنے والا شخص اسلام سے نکل جاتا ہے۔

زکاۃ کی فرضیت کب ہوئی؟ اس سلسلے میں بہت سی آیات اور بہت سی احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ زکاۃ کی فرضیت ہجرتِ مدینہ سے پہلے ہوئی، جبکہ دوسری طرف بہت سی آیات اور احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی فرضیت ہجرت کے بعد ہوئی۔

علامہ ابن کثیرؒ نے لکھاہے کہ

"نفسِ فرضیت تو ہجرت سے پہلے ہو گئی تھی، لیکن اس کے تفصیلی احکامات ہجرت کے بعد نازل ہوئے۔" (تفسیر ابن کثیر، سورۃ المزمل، آیت نمبر:۲۰)

زکوۃ کی فضیلت قرآن کی روشنی میں:۔

۱: زکوۃ کی ادائیگی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ مال کو بڑھاتے ہیں۔(البقرۃ:۲۶۷۔ تفسیر جلالین، البقرۃ: ۲۶۷۔ و روح المعانی، التوبۃ:۱۰۴۔ صحیح البخاری، کتاب الزکاۃ، باب الصدقۃ من کسب طیب۔ رقم الحدیث:۱۴۱۰، ج:۲، ص:۱۱۲، دار طوق النجاۃ)

۲: زکاۃ کی وجہ سے اجر و ثواب سات سو گنا بڑھ جاتا ہے۔(البقرۃ:۲۶۱۔ تفسیر البیضاوی، البقرۃ:۲۶۱)

۳: زکاۃ کی وجہ سے ملنے والا اجر کبھی ختم ہونے والا نہیں، ہمیشہ باقی رہے گا۔(الفاطر:۳۰،۲۹)

۴: اللہ تعالیٰ کی رحمت ایسے افراد (زکاۃ ادا کرنے والوں) کا مقدر بن جاتی ہے۔(الأعراف:۱۵۶)

۵: کامیاب ہونے والوں کی جو صفات قرآنِ پاک میں گنوائی گئیں ہیں، ان میں ایک صفت زکوٰۃ کی ادائیگی بھی ہے۔(المؤمنون:۴)

زکوۃ کی فضیلت احادیث کی روشنی میں:۔

۱:زکوۃ ادا کرنا ایمان کی دلیل اور علامت ہے۔(سنن ابن ماجہ، کتاب الطھارۃ،باب الوضوء شطر الإیمان، رقم الحدیث:۲۸۰،دار المعرفۃ،بیروت)

۲:قبر میں زکوۃ (اپنے ادا کرنے والے کو)عذاب سے بچاتی ہے۔(المصنف لابن ابی شیبۃ،کتاب الجنائز،باب فی الرجل یرفع الجنازۃ، رقم الحدیث:۱۲۱۸۸،ج:۷،ص:۳۷۴،دار قرطبۃ،بیروت)

۳:ایک حدیث شریف میں جنت کے داخلے کے پانچ اعمال گنوائے گئے ہیں، جن میں سے ایک زکوۃ کی ادائیگی بھی ہے۔(سنن أبی داؤد، کتاب الصلاۃ،باب فی المحافظۃ علی وقت الصلوٰت، رقم الحدیث:۴۲۹،ج:۱،ص:۲۱۴،دار ابن حزم)

۴:انسان کے مال کی پاکی کا ذریعہ زکوۃ ہے۔(مسند أحمد:مسند أنس بن مالکؓ، رقم الحدیث:۱۲۳۹۴)

۵:انسان کے گناہوں کی معافی کا بھی ذریعہ ہے۔(مجمع الزوائد، کتاب الزکاۃ،باب فرض الزکاۃ،ج:۳،ص:۶۳)

۶: زکاۃ سے مال کی حفاظت ہوتی ہے۔(شعب الإیمان للبیہقی،کتاب الزکاۃ، فصل فی من أتاہ اللہ مالا من غیر مسألۃ،رقم الحدیث:۳۵۵۷،ج:۳،ص:۲۸۲،دار الکتب العلمیہ)

۷:زکوۃ سے مال کا شر ختم ہو جاتا ہے۔(السنن الکبریٰ للبیہقی،کتاب الزکاۃ،باب الدلیل علی أن من أدی فرض اللہ فی الزکاۃ، رقم الحدیث:۷۳۷۹)

جو لوگ زکوۃ ادا نہیں کرتے ان کے لیے قرآن کی وعید:۔

بہت سے لوگ زکوۃ فرض ہونے کے باجود زکوۃ ادا نہیں کرتے اور مختلف بہانے بناتے ہیں ان کے لیے قرآن کی وعیدیں درج کی جارہی ہیں۔

۱:جو لوگ زکوۃ ادا نہیں کرتے اُن کے مال کو جہنم کی آگ میں گرم کر کے اِس سے اُن کی پیشانیوں، پہلوؤں اور پیٹھوں کو داغا جائے گا۔(سورۃ التوبہ:۳۵،۳۴)

۲:ایسے شخص کے مال کو طوق بنا کے اُس کے گلے میں ڈال دیا جائے گا۔(سورۃ آل عمران:۱۸۰)

۳:ایسا مال آخرت میں اُس کے کسی کام نہ آسکے گا۔(سورۃ البقرۃ:۲۵۴)

۴:زکوۃ کا ادا نہ کرنا جہنم والے اعمال کا ذریعہ بنتا ہے۔(سورۃ اللیل:۵تا۱۱)

زکوۃ ادا نہ کرنے والوں کے لیے احادیث میں وارد ہوئی وعیدیں:۔

۱: ایسے شخص کا مال قیامت والے دن ایسے زہریلے ناگ کی شکل میں آئے گا، جس کے سر کے بال جھڑ چکے ہوں گے، اور اس کی آنکھوں کے اوپر دو سفید نقطے ہوں گے، پھر وہ سانپ اُس کے گلے کا طوق بنا دیا جائے گا، پھر وہ اس کی دونوں باچھیں پکڑے گا (اور کاٹے گا) اور کہے گا کہ میں تیرا وہ مال ہوں، میں تیرا جمع کیا ہوا خزانہ ہوں۔ (صحیح البخاری، کتاب الزکاۃ، باب إثم مانع الزکاۃ، رقم الحدیث:۱۴۰۳، ج:۲، ص:۱۱۰، دار طوق النجاۃ)

۲: مرتے وقت ایسا شخص زکوۃ ادا کرنے کی تمنا کرے گا، لیکن اس کے لیے سوائے حسرت کے اور کچھ نہ ہو گا۔ (سورۃ المنافقون:۱۰۔ صحیح البخاری، کتاب الزکاۃ، باب فضل صدقۃ الشحیح الصحیح، رقم الحدیث:۱۴۱۹، ج:۲، ص:۱۱۰، دار طوق النجاۃ)

۳: ایسے شخص کے لیے آگ کی چٹانیں بچھائی جائیں گی، اور اُن سے ایسے شخص کے پہلو، پیشانی اور سینہ کو داغا جائے گا۔ (صحیح مسلم، کتاب الزکاۃ، باب إثم مانع الزکاۃ)

۴: ایسے افراد کو جہنم میں ضریع، زقوم، گرم پتھر، اور کانٹے دار و بدبو دار درخت کھانے پڑیں گے۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی، باب الإسراء، رقم الحدیث:۶۷۹)

۵: ایسے افراد سے قیامت میں حساب کتاب لینے میں بہت زیادہ سختی کی جائے گی۔ (مجمع الزوائد، کتاب الزکاۃ، باب فرض الزکاۃ: ج:۳، ص:۶۲)

۶: جب لوگ زکوۃ روک لیتے ہیں تو اس کے بدلے اللہ تعالیٰ ان سے بارشیں روک لیتے ہیں۔ (المستدرک للحاکم، رقم الحدیث: ۲۵۷۷)

۷: جب کوئی قوم زکوۃ روک لیتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس قوم کو قحط سالی میں مبتلا کر دیتے ہیں۔ (المعجم الأوسط للطبرانی، تحت من اسمہ عبدان، رقم الحدیث:۴۵۷۷)

زکوۃ کا نصاب:۔

اموالِ زکوۃ سے مراد وہ اشیا یا اموال ہیں جن کا (مخصوص مقدار میں) مالک ہونے پر زکوۃ فرض ہوتی ہے۔ وہ کل چار قسم (کی اشیا یا اموال) ہیں:

۱:سونا، خواہ وہ زیور کی شکل میں ہو، ڈلی ہو، اینٹ ہو یا کسی برتن وغیرہ کی شکل میں ہو، چاہے استعمال میں ہو یا نہ ہو، خالص ہو یا اس میں کوئی کھوٹ یا ملاوٹ وغیرہ ہو، بہر صورت یہ (سونا) مالِ زکاۃ ہے۔

۲:چاندی، خواہ وہ زیور کی شکل میں ہو، ڈلی ہو، اینٹ ہو یا کسی برتن وغیرہ کی شکل میں ہو، چاہے استعمال میں ہو یا نہ ہو، خالص ہو یا اس میں کوئی کھوٹ یا ملاوٹ وغیرہ ہو، بہر صورت یہ (چاندی) مالِ زکوۃ ہے۔

۳:نقدی، اپنے ملک کی ہو یا کسی اور ملک کی، اپنے پاس ہو یا بینک میں، چیک ہو یا ڈرافٹ، نوٹ ہو یا سکّے، کسی کو قرض دی ہوئی ہو (بشرطیکہ ملنے کی امید ہو) ان تمام صورتوں میں یہ (نقدی) مالِ زکوۃ ہے۔

۴:مالِ تجارت، یعنی تاجِر کی دکان کا ہر وہ سامان جو بیچنے کی نیت سے خریدا گیا ہو اور تاحال اس کے بیچنے کی نیت باقی ہو، تو یہ (مالِ تجارت) مالِ زکوۃ ہے۔ (اور اگر مذکورہ مال یعنی مالِ تجارت کو گھر کے استعمال کے لیے رکھ لیا، یا اس کے بارے میں بیٹے یا دوست وغیرہ کو ہدیہ میں دینا طے کر لیا، یا پھر ویسے ہی اس مال کے بارے میں بیچنے کی نیت نہ رہی تو یہ مال، مالِ زکوۃ نہ رہا)۔ (بدائع الصنائع، کتاب الزکاۃ، أموال الزکاۃ، ج:۲، ص:۱۰۰، دار إحیاء التراث العربی)

اموال زکوۃ کی مقدار:۔

۱:اگر کسی کے پاس صرف "سونا" ہو اور کوئی مال (مثلاً: چاندی، نقدی یا مال تجارت) نہ ہو تو جب تک سونا ساڑھے سات تولے (479۔87 گرام) نہ ہو جائے اس وقت تک زکوۃ فرض نہیں ہوتی، اور اگر سونا اس مذکورہ وزن تک پہنچ جائے تو زکاۃ فرض ہو جاتی ہے۔ (بدائع الصنائع، کتاب الزکاۃ، صفۃ الزکاۃ، ج:۲، ص:۱۰۵، دار إحیاء التراث العربی)

۲:اگر کسی کے پاس صرف "چاندی" ہو اور کوئی مال (سونا، نقدی یا مال تجارت) نہ ہو تو جب تک چاندی ساڑھے باون تولے (35۔612 گرام) نہ ہو جائے اس وقت تک زکوۃ فرض نہیں ہوتی، اور اگر چاندی اس مذکورہ وزن تک پہنچ جائے تو زکوۃ فرض ہو جاتی ہے۔ (بدائع الصنائع، کتاب الزکاۃ، أموال الزکاۃ:، ج:۲، ص:۱۰۰، دار إحیاء التراث العربی)

۳:اگر کسی کے پاس صرف "نقدی" ہو اور کوئی مال (مثلاً: سونا، چاندی، یا مالِ تجارت) نہ ہو تو جب تک نقدی اتنی نہ ہو جائے کہ اس سے ساڑھے باون تولے (35۔612 گرام) چاندی خریدی جاسکے، اس وقت تک زکوۃ فرض نہیں ہوتی اور اگر نقدی اتنی ہو جائے کہ اس سے ساڑھے باون تولے (35۔612 گرام) چاندی خریدی جاسکے تو زکوۃ فرض ہو جاتی ہے۔ (بدائع الصنائع، کتاب الزکاۃ، أموال الزکاۃ:، ج:۲، ص:۱۰۳، دار إحیاء التراث العربی)

۴: اگر کسی کے پاس سونا اور چاندی ہو (چاہے جتنی بھی ہو) یا سونا اور نقدی ہو یا سونا اور مالِ تجارت ہو یا چاندی اور نقدی ہو یا چاندی اور مالِ تجارت ہو یا (تینوں مال) سونا، چاندی اور نقدی ہو یا سونا، چاندی اور مالِ تجارت ہو یا (چاروں مال) سونا، چاندی، نقدی اور مالِ تجارت ہو تو ان تمام صورتوں میں ان اموال کی قیمت لگائی جائے گی، اگر ان کی قیمت ساڑھے باون تولے (35۔612 گرام) چاندی کی قیمت کے برابر ہو جائے تو زکوۃ واجب ہو گی، ورنہ نہیں۔ (بدائع الصنائع، کتاب الزکاۃ، صفۃ الزکاۃ، ج:۲، ص:۱۰۶-۱۰۵، دار إحیاء التراث العربی)

ضرورت سے زائد سامان پر زکوۃ کا حکم:۔

گھر میں موجود ایسا زائد سامان جس کی بعض اوقات ضرورت ہی نہیں پڑتی جیسے

وی سی آر، ڈش، ناجائز مضامین کی آڈیو ویڈیو کیسٹیں جیسی چیزیں ضروریات میں داخل نہیں، بلکہ لغویات ہیں۔ مذکورہ قسم کا سامان ضرورت سے زائد کہلاتا ہے، اس لیے ان سب کی قیمت حساب میں لگائی جائے گی۔

رہائشی مکان، پہننے، اوڑھنے کے کپڑے، ضرورت کی سواری اور گھریلو ضرورت کا سامان جو عام طور پر استعمال میں رہتا ہے، یہ سب ضرورت کے سامان میں داخل ہیں، اس کی وجہ سے انسان شرعاً مال دار نہیں ہوتا، یعنی ان کی قیمت نصاب میں شامل نہیں کی جاتی۔ (الفتاویٰ الھندیہ، کتاب الزکاۃ، الباب الأول فی تفسیر الزکاۃ، ج:۱، ص:۱۷۴، رشیدیہ)

صنعتی آلات، مشینیں اور دوسرے وسائل رزق (جن سے انسان اپنی روزی کماتا ہے) بھی ضرورت میں داخل ہیں، ان کی قیمت بھی نصاب میں شامل نہیں کی جاتی، مثلاً: درزی کی سلائی مشین، ترکھان، لوہار اور کاشت کار وغیرہ کے اوزار، سبزی یا پھل بیچنے والے کی ریڑھی یا سائیکل وغیرہ۔ (الفتاویٰ الھندیہ، کتاب الزکاۃ، الباب الأول فی تفسیر الزکاۃ، ج:۱، ص:۱۷۴، رشیدیہ)

اگر کسی کے پاس ضرورت پوری کرنے کا سامان ہے، لیکن اس نے کچھ سامان اپنی ضرورت سے زائد بھی اپنے پاس رکھا ہوا ہے، مثلاً: کسی کی ضرورت ایک گاڑی سے پوری ہو جاتی ہے، لیکن اس کے پاس دو گاڑیاں ہیں، یا اس کی ضرورت ایک مکان سے پوری ہو جاتی ہے، لیکن اس نے دو مکان رکھے ہوئے ہیں تو اس زائد گاڑی اور زائد مکان کی قیمت کو نصاب میں داخل کیا جائے گا۔ (بدائع الصنائع، کتاب الزکاۃ، مصارف الزکاۃ، ج:۲، ص:۱۵۸، دار إحیاء التراث العربی)

مال تجارت پر زکوۃ کا حکم:۔

بعض افراد اس غلط فہمی میں رہتے ہیں کہ تجارت کا مال صرف وہ ہے جس کی انسان با قاعدہ تجارت کرتا ہو، اور نفع کمانے کی نیت سے خرید و فروخت کرتا ہو، حالانکہ شرعاً کسی چیز کے مالِ تجارت بننے کے لیے اس میں مذکورہ قید ضروری نہیں، بلکہ جو چیز بھی انسان فروخت کرنے کی نیت سے خریدے وہ تجارت کے مال میں شمار ہوتی ہے، البتہ خریدتے وقت فروخت کرنے کی نیت نہ ہو تو بعد میں فروخت کر لینے کی نیت سے وہ چیز مالِ تجارت نہیں بنے گی۔ دوسری طرف وہ چیز جسے تجارت کی نیت سے خریدا تھا، اگر بعد میں تجارت کی نیت بدل لی تو وہ چیز مالِ تجارت سے نکل جائے گی۔ سونا، چاندی اور نقد رقم اس تعریف سے خارج ہے، یعنی ان کے لیے کسی خاص نیت وغیرہ کی ضرورت نہیں، یہ ہر حال میں مالِ زکوۃ ہیں۔ (ردالمحتار، کتاب الزکاۃ، ج:۲، ص:۲۶۷، سعید)

اگر کوئی جانور بیچنے کے لیے خریدے تو وہ بھی مالِ تجارت میں داخل ہیں، ان کی زکاۃ بھی تجارت کے اموال کی طرح واجب ہو گی۔ (احسن الفتاویٰ:، ج:۴، ص:۲۸۶)

قصاب جو جانور ذبح کر کے گوشت بیچتے ہیں تو یہ جانور بھی مالِ تجارت میں داخل ہیں۔ جو جانور دودھ حاصل کرنے کے لیے خریدے تو وہ مالِ تجارت میں داخل نہیں ہیں، البتہ ان کے دودھ سے حاصل ہونے والی کمائی نقد رقم میں داخل ہو کر نصاب کا حصہ بنے گی۔ (احسن الفتاویٰ:، ج:۴، ص:۲۸۷)

جن اشیا کو فروخت کرنا مقصود نہ ہو، بلکہ ان کی ذات کو باقی رکھتے ہوئے ان سے کرایہ وغیرہ حاصل کرنا یا کسی اور شکل میں نفع کمانا مقصود ہو، تو وہ چیزیں مالِ تجارت میں داخل نہیں ہیں، مثلاً: کارخانوں کا منجمد اثاثہ، پرنٹنگ پریس، مشینری، پلانٹ، دکان کا فرنیچر، استعمال کی گاڑی، ٹریکٹر، ٹیوب ویل، کرائے پر چلانے کی نیت سے خریدی گئی گاڑی، رکشہ وغیرہ، کرائے پر دینے کی نیت سے بنایا گیا مکان یا دوکان وغیرہ، گھر کے استعمال کے برتن، کرائے پر دینے کے لیے رکھے ہوئے برتن، کراکری کا سامان، فریج، فرنیچر، سلائی یا دھلائی کی مشین، ڈرائی کلینرز کے پلانٹ وغیرہ۔ اس قسم کی چیزیں چونکہ فروخت کرنے کی نیت سے نہیں خریدی گئیں، بلکہ ان کو باقی رکھ کر ان سے نفع اٹھانا مقصود ہے، اس لیے یہ مالِ تجارت میں داخل نہیں ہوں گی اور ان پر زکاۃ واجب نہیں ہو گی، ہاں اگر ان کو خریدا ہی فروخت کرنے کے لیے ہو تو یہ مالِ تجارت ہوں گی۔ اسی طرح موجودہ دور میں بعض مکینک حضرات اپنے کام کاج کے اوزاروں کے ساتھ بعض اوزاروں کو اس لیے خریدتے ہیں کہ بوقتِ ضرورت گاہکوں کی مشینری وغیرہ میں فٹ کر دیں گے، اور اس کی قیمت گاہکوں سے وصول کر لیں گے، تو یہ مال بھی مالِ تجارت میں داخل ہے۔ (ردالمحتار، کتاب الزکاۃ، ج:۲، ص:۲۶۷، سعید)

قرض پر زکوۃ کا حکم:۔

قرض پر زکاۃ کا حکم جو رقم کسی کو بطور قرض دی ہو، اس کی دو قسمیں ہیں: ایک تو وہ قرض ہے، جس کے (کبھی نہ کبھی) واپس ملنے کی امید ہو۔ دوسرا وہ قرض ہے، جس کے واپس ملنے کی امید ختم ہو چکی ہو۔ تو پہلی قسم والے قرض کی زکاۃ دی جائے گی اور دوسری قسم کے قرض کی زکاۃ نہیں دی جائے گی۔ البتہ اگر کبھی یہ قرض بھی وصول ہو گیا تو اس کی بھی زکاۃ ادا کی جائے گی۔ (ہندیہ، کتاب الزکاۃ، الباب الاول، ج:۱، ص:۱۷۵، ۱۷۴، رشیدیہ)

بینکوں کے زکاۃ کاٹنے کا حکم حکومت کے آرڈیننس کے تحت حکومت بینکوں سے لوگوں کی رقمیں زکاۃ کی مد میں کاٹتی ہے۔ شرعاً اس طریقے سے زکاۃ کی ادائیگی نہیں ہوتی، حکومتِ وقت کے اس طرح زکاۃ کاٹنے میں شرعاً دس خرابیاں ہیں جنہیں فتاویٰ بینات جلد دوم، ص:۶۳۵ تا ۶۴۰ میں تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے، بوقتِ ضرورت وہاں مراجعت کر لی جائے۔ (فتاویٰ بینات، کتاب الزکاۃ، حکومت کا مسلمانوں سے زکاۃ وصول کرنا، ص:۶۴۰-۶۳۵، مکتبہ بینات)

کمیٹی پر زکوۃ کا حکم:۔

کچھ افراد مل کے کمیٹی ڈالتے ہیں، کچھ ممبروں کی کمیٹی پہلے نکل آتی ہے، مثلاً: بیس افراد نے مل ایک ایک ہزار روپے جمع کر کے کمیٹی ڈالی، ان میں سے ایک کی کمیٹی پہلے نکل آئی، اب اس شخص کے پاس انیس ہزار روپے دوسروں کے ہیں اور ایک ہزار اپنا، تو یہ شخص اگر صاحب نصاب ہے تو یہ اپنے ایک ہزار روپے کو اس نصاب میں داخل کرے گا، انیس ہزار کو نہیں، اسی طرح ہر ممبر صرف اتنی رقم نصابِ زکاۃ میں جمع کرے گا، جتنی اس نے ابھی تک جمع کروائی تھی، البتہ آخری شخص پورے بیس ہزار کو اپنے نصاب میں شامل کرے گا، اور اگر یہ مذکورہ افراد صاحبِ نصاب نہیں ہوں تو اس نکلنے والی کمیٹی کی رقم پر زکاۃ واجب نہیں ہو گی۔ (الفتاویٰ الھندیہ، کتاب الزکاۃ، الباب الاوّل فی تفسیر الزکاۃ، ج:۱، ص:۱۷۳، رشیدیہ)

زکوۃ پر سال گزرنا:۔

مال پر سال گزرنے کا مطلب جس تاریخ میں زکوۃ واجب ہوئی تھی اس کے ایک سال بعد زکوۃ دی جائے گی، اس ایک سال کے گزرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس پہلی تاریخ اور ایک سال کے بعد والی تاریخ میں مالِ نصاب کے بقدر اس شخص کی ملکیت میں رہے، ان دونوں تاریخوں کے درمیان میں مال میں جتنی بھی کمی بیشی ہوتی رہے، اس سے کچھ اثر نہیں پڑتا، بس شرط یہ ہے کہ مال بالکل ختم نہ ہو گیا ہو، یعنی مال کے ہر ہر جز پر سال کا گزرنا شرط نہیں ہے، بلکہ واجب ہونے کے بعد اگلے سال اسی

تاریخ میں نصاب کا باقی رہنا ضروری ہے، اگر نصاب باقی ہوا تو ادائیگی لازم ہو گی، ورنہ نہیں۔ (بدائع الصنائع، کتاب الزکوۃ، اموال الزکوۃ، ج:۲، ص:۹۶، دار إحیاء التراث العربی)

زکوۃ واجب ہونے کے لیے تاریخ زندگی میں سب سے پہلی بار جب کسی کی ملکیت میں پہلی قسم کے نصاب کے مطابق مال آجائے، تو وہ دیکھے کہ اس دن قمری سال (چاند) کی کون سی تاریخ ہے؟ اس تاریخ کو نوٹ کر لے، یہ تاریخ اس شخص کے لیے زکوۃ کے حساب کی تاریخ کے طور پر متعین ہو گئی ہے۔ واضح رہے کہ زکوۃ کے وجوب اور ادائیگی کے لیے قمری سال ہونا ضروری ہے، اگر کسی کو قمری تاریخ یاد نہ ہو تو خوب غور و فکر کرکے کوئی قمری تاریخ متعین کر لینا چاہیے، آئندہ اسی کے مطابق حساب کیا جائے گا، البتہ حساب کتاب کرنے کے بعد ادائیگی زکوۃ شمسی تاریخ سے کرنا جائز ہے۔ زکوۃ کا حساب کرنے کا طریقہ جس چاند کی تاریخ کو کسی کے پاس بقدر نصاب مال آیا، اس سے اگلے سال ٹھیک اسی تاریخ میں اپنے مال کا حساب کیا جائے، اگر بقدر نصاب کے مال ہے تو اس کل مال کا اڑھائی فیصد (2.5٪) زکوۃ دینا ہو گی۔ (العالمگیریہ، کتاب الزکوۃ، ج:۱، ص:۱۷۵، رشیدیہ)

زکوۃ کس کو دی جاسکتی ہے؟:۔

۱: اگر کسی کے پاس صرف "سونا" اور "ضرورت سے زائد سامان" ہو تو ان دونوں قسم کے اموال کی قیمت لگائی جائے گی، اگر ان کی قیمت اتنی ہو جائے کہ اس سے ساڑھے باون تولے (35۔612 گرام) چاندی خریدی جاسکے تو اس مقدار کی مالیت کے مالک کو زکوۃ لینا جائز نہیں ہے اور ایسے شخص پر صدقۂ فطر اور قربانی کرنا واجب ہے۔

۲: اگر کسی کے پاس صرف "چاندی" اور "ضرورت سے زائد سامان" ہو اور کوئی مال (سونا، نقدی یا مال تجارت) نہ ہو تو ان دونوں قسم کے اموال کی قیمت لگائی جائے گی، اگر ان کی قیمت اتنی ہو جائے کہ اس سے ساڑھے باون تولے (35۔612 گرام) چاندی خریدی جاسکے تو اس مقدار کی مالیت کے مالک کو زکوۃ لینا جائز نہیں ہے اور ایسے شخص پر صدقہ فطر اور قربانی کرنا واجب ہے۔

۳: اگر کسی کے پاس صرف "نقدی" اور "ضرورت سے زائد سامان" ہو اور کوئی مال (مثلاً: سونا، چاندی، یا مالِ تجارت) نہ ہو تو جب ان کی قیمت اتنی ہو جائے کہ اس سے ساڑھے باون تولے (35۔612 گرام) چاندی خریدی جاسکے، تو اس مقدار کی مالیت کے مالک کو زکوۃ لینا جائز نہیں ہے اور ایسے شخص پر صدقہ فطر اور قربانی کرنا واجب ہے۔ اور اگر ان دونوں کی قیمت اتنی نہ ہو کہ اس سے ساڑھے باون تولے (35۔612 گرام) چاندی خریدی جاسکے تو ایسے شخص کا زکوۃ لینا جائز ہے۔

۴:اگر کسی کے پاس (پانچوں مال) سونا، چاندی، نقدی، مالِ تجارت اور "ضرورت سے زائد سامان" ہو تو ان تمام صورتوں میں ان تمام اموال کی قیمت لگائی جائے گی، اگر ان کی قیمت ساڑھے باون تولے (35۔612 گرام) چاندی کی قیمت کے برابر ہو جائے تو اس مقدار کی مالیت کے مالک کا زکوۃ لینا جائز نہیں ہے اور ایسے شخص پر صدقہ فطر اور قربانی کرنا واجب ہے۔ اور اگر مذکورہ صورتوں میں سے کوئی صورت نہ ہو تو ایسا شخص شریعت کی نگاہ میں صاحب نصاب نہیں کہلاتا، یعنی اس شخص کا زکوۃ اور ہر قسم کے صدقاتِ واجبہ لینا جائز ہو گا۔ (بدائع الصنائع، کتاب الزکاۃ، مصارف الزکوۃ، ج:۲، ص:۱۵۸، دار إحياء التراث العربي)

نرم مزاجی ورِفق کی اہمیت وفضیلت



حضرت مولانا عصمت اللہ نظامانی صاحب (استاد جامعہ دارالعلوم کراچی)

اگر یہ کہا جائے کہ نرم مزاجی بظاہر ایک صفت ہے، لیکن درحقیقت یہ مجموعہ صفات ہے، اور تمام اوصاف حمیدہ اس میں پنہاں ہیں تو یقیناً مبالغہ نہیں ہوگا، یہ ایک ایسا عطیۂ خداوندی ہے جس پر دنیا وآخرت کا آرام وسکون موقوف ہے، رحم دلی ونرم مزاجی دوسروں کے لیے بھی باعثِ راحت رسانی ہے، اور خود اپنے کے لیے بھی فوائد ومنافع کا سبب ہے۔ نرم دل شخص لوگوں کی نظر میں محبوب وپسندیدہ ہوتا ہے، لوگ اس کی مصاحبت کے مشتاق ہوتے ہیں، اس کی ہم نشینی کی چاہت رکھتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی اس کا ایک خاص مقام ہے، جبکہ تندخو وسخت گو شخص کے ساتھ بیٹھنا بھی ان پر گراں گزرتا ہے۔ اسی وجہ سے اسلام میں رِفق ونرمی اپنانے کی خصوصی تاکید کی گئی ہے، اور قرآن پاک واحادیث مبارکہ میں اس کی اہمیت وضرورت وضاحت کے ساتھ بیان کی گئی ہے، ذیل میں نرم مزاجی ورفق کی اہمیت مع فضائل مختصراً بیان کی جارہی ہے۔

رِفق ونرم مزاجی کی اہمیت قرآن کی روشنی میں:

1۔ قرآن پاک میں نرم مزاجی کو اللہ تعالیٰ کی رحمت اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت کہا گیا ہے، اور تندخوئی کی مذمت بیان کی گئی ہے، چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِنَ اللهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ. (آل عمران: 159)

ترجمہ: پھر اللہ کی رحمت ہی کے سبب سے آپ ان کے لیے نرم ہو گئے، اور اگر آپ سخت مزاج اور سخت دل والے ہوتے تو یہ لوگ آپ کے پاس سے منتشر ہو جاتے۔

2۔ مسلمانوں کے ساتھ نرمی وملاطفت سے پیش آنے کا حکم اپنی جگہ، قرآن میں تو غیر مسلموں، بلکہ کافروں کے سردار فرعون سے ساتھ بھی نرمی سے بات کرنے کا حضرت موسیٰ وہارون علیہما السلام کو حکم دیا گیا ہے، تاکہ دعوتِ دین اور حق بات نفع بخش اور بارآور ہو۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ موسیٰ وہارون علیہما السلام سے فرماتے ہیں:

فَقُولَا لَهُ قَوْلًا لَيِّنًا لَعَلَّهُ يَتَذَكَّرُ أَوْ يَخْشَى(طه: 44)

ترجمہ: سو تم دونوں اس سے نرمی سے بات کرنا، شاید وہ نصیحت قبول کرے یا ڈر جائے۔

نرم خوئی اللہ تعالیٰ کو محبوب:

سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر نظر ڈالیں تو معلوم ہوگا کہ آپ ﷺ نے نرم مزاجی اپنانے کی خصوصی تاکید کی ہے، اور اپنے عمل کے ذریعے بھی اس کی اہمیت اجاگر کی ہے، اور اس کے فضائل ذکر کیے ہیں۔ من جملہ ایک بڑی فضیلت یہ ہے کہ نرم خوئی اور رِفق کی صفت اللہ تعالیٰ کو بہت محبوب اور پسندیدہ ہے، جیسا کہ درجِ ذیل روایت سے یہ بات واضح ہو رہی ہے۔

ایک مرتبہ یہود کی ایک جماعت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی، اور سلام کرنے کے بجائے **"السام علیکم "** کہا، اور "سام" موت کو کہتے ہیں، یعنی خاکم بدہن آپ پر موت ہو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ سن لیا، وہ کہاں برداشت کرسکتی تھیں کہ آپ ﷺ کی شان اقدس میں ادنی درجہ کی بھی ناگفتہ بہ بات کی کہی جائے، چنانچہ انہوں نے بھی جواب میں کہا: **"وعلیکم السام واللعنة"** یعنی تم ہی پر ہلاکت اور لعنت ہو۔

اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:

مهلاً يا عائشة، عليك بالرفق، وإياك والعنف، أو الفحش. (صحيح البخاري، (85/8)، كتاب الدعوات، رقم الحديث: 6401، الناشر: دار طوق النجاة، ط: 1422ه)

ترجمہ: آرام سے اے عائشہ! نرمی اختیار کرو اور سختی وبدگوئی سے بچو۔

اور ایک دوسری روایت میں ہے:

مهلاً يا عائشة، إن الله يحب الرفق في الأمر كله. (صحيح البخاري، (12/8)، كتاب الأدب، باب الرفق فی الأمر كله، رقم الحديث: 6024)

ترجمہ: اے عائشہ ان کو چھوڑو، بیشک اللہ تعالیٰ ہر کام میں نرمی کو پسند کرتا ہے۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دنیاوی معاملات کے ساتھ دینی امور میں بھی رفق ونرمی کے ساتھ چلنا ضروری ہے، دین پر عمل پیرا ہونے، یا اس کی نشرواشاعت اور تبلیغ کے سلسلے میں تشدّد اور سختی ناپسندیدہ ہے، چنانچہ حدیث میں ہے:

إن هذا الدين متين، فأوغلوا فيه برفق. (مسند أحمد، (346/20)، مسند أنس بن مالك رضي الله عنه، رقم الحديث: 13052، الناشر: مؤسسة الرسالة- بيروت، ط: 1421ه-2001م)

ترجمہ: بیشک یہ دین بڑا سنجیدہ ومضبوط ہے، لہٰذا اس میں نرمی کو شامل رکھا کرو۔

حضور اکرم ﷺ کی نرم خوئی:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اعلیٰ صفات واوصاف حمیدہ میں سے ایک نمایاں صفت یہ تھی کہ آپ ﷺ حلیم الطبع، نرم خو ونرم مزاج تھے، مخالفین کی طرف چاہے جتنی بھی ایذاء وتکالیف کا سامنے ہوتا، آپ ﷺ کے حسنِ اخلاق ونرمی پر اس کا شائبہ بھی نہ پڑتا، اور نہ آپ کے چہرہ مبارک پر تکدّر کا آثار ظاہر ہوتے، آپ ﷺ نرم خوئی کا ذکر کرتے ہوئے حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

خدمت النبي صلى الله عليه وسلم عشر سنين، فما قال لي: أف، ولا: لم صنعت؟ ولا: ألا صنعت. (صحيح البخاري، (14/8)، كتاب الأدب، باب حسن الخلق والسخاء، رقم الحديث: 6038)

ترجمہ: میں نے دس سال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی، پس آپ نے کبھی اف تک نہیں کہا، اور نہ کبھی فرمایا کہ کیوں تم نے ایسا کیا؟ اور نہ یہ فرمایا کہ تم نے ایسا کیوں نہیں کیا۔

یعنی بظاہر حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بھی کسی کام میں کوئی غلطی اور خطا ہوجاتی ہوگی، لیکن اس کے باوجود آپ ﷺ اس پر بلاوجہ زجر توبیخ نہیں کرتے تھے، بلکہ نرم خوئی ودرگزر کا معاملہ فرماتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نرم خوئی کے سلسلے میں مندرجہ ذیل واقعہ فائدہ سے خالی نہ ہوگا۔

اس کی وضاحت یہ ہے کہ ابتدائے اسلام میں نماز میں کلام کرنا ممنوع نہیں تھا، بعد میں اس سے روکا گیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی حضرت معاویہ بن حکم سلمیؓ نو مسلم تھے، اس لیے ان کو یہ بات معلوم نہیں تھی کہ نماز میں باتیں کرنا منسوخ و ممنوع ہے، چنانچہ ایک مرتبہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں نماز پڑھ رہے تھے کہ جماعت میں سے ایک آدمی کو چھینک آئی، حضرت معاویہ بن حکم نے "یرحمک اللہ" کہہ اس کا جواب دیا، یہ دیکھ کر لوگوں نے انہیں گھورنا شروع کر دیا، اس پر حضرت معاویہ نے کہا: تم مجھے گھور کیوں رہے ہو؟ اب وہ لوگ اپنی رانوں پر اپنے ہاتھ مارنے لگے؛ تاکہ معاویہ بن حکم سمجھ جائیں، اور خاموش ہو جائیں، چنانچہ وہ خاموش ہو گئے، نماز سے فارغ ہونے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بلایا، اور کسی قسم کی ڈانٹ ڈبٹ نہیں کی، بلکہ آرام سے عمدہ انداز میں انہیں سمجھایا، حضرت معاویہ بن حکم خود فرماتے ہیں:

بأبي هو وأمي، ما رأيت معلما قبله ولا بعده أحسن تعليما منه، فوالله، ما كهرني ولا ضربني ولا شتمني، قال: «إن هذه الصلاة لا يصلح فيها شيء من كلام الناس، إنما هو التسبيح والتكبير وقراءة القرآن. (صحيح مسلم، (381/1)، كتاب المساجد، باب تحريم الكلام فى الصلاة، رقم الحديث؛ 537، الناشر: دار إحياء التراث العربي-بيروت)

ترجمہ: میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان ہوں۔ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بہتر سکھانے والا نہ پہلے کبھی دیکھا، اور نہ بعد میں۔ اللہ کی قسم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ مجھے جھڑکا، نہ مارا اور نہ ہی برا بھلا کہا، بس یہ فرمایا کہ نماز میں لوگوں سے باتیں کرنی درست نہیں، اس نماز میں تو تسبیح اور تکبیر اور قرآن کی تلاوت ہوتی ہے۔

نرمی پر عطایائے خداوندی:

نرمی ایک ایسی خوبی ہے جس کی وجہ سے بندہ پر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی بارش ہوتی ہے، اور اس کثرت سے انعامات وعطایائے خداوندی ملتے ہیں کہ کسی دوسری صفت پر شاید ہی ایسے انعامات حاصل ہوتے ہوں۔ چنانچہ یہی مفہوم ایک حدیث مبارکہ میں آیا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

إن الله رفيق يحب الرفق، ويعطي على الرفق ما لا يعطي على العنف، وما لا يعطي على ما سواه . (صحيح مسلم، (2003/4)، كتاب البر والصلة والآداب، باب فضل الرفق، رقم الحديث: 2593)

ترجمہ: بیشک اللہ تعالیٰ رفیق (نرمی کرنے والا) ہے اور نرمی کو پسند کرتا ہے اور نرمی اختیار کرنے کی بناء پر وہ اس قدر عطا فرماتا ہے کہ جو سختی یا اس کے علاوہ کسی اور وجہ سے اس قدر عطا نہیں فرماتا۔

یعنی بسا اوقات بظاہر سختی کرنے میں ہی نفع معلوم ہو رہا ہو گا، لیکن در حقیقت نرمی سے جتنا فائدہ ہو گا، سختی کرنے میں اتنا نہیں ہو گا۔

نرمی خوبصورتی کا سبب:

احادیث مبارکہ میں نرمی کو حسن وخوبصورتی کا باعث قرار دیا گیا ہے کہ نرم مزاجی آدمی میں زینت کا سبب ہے، جبکہ ترش روئی وتند خوئی ایک قسم کا عیب ہے۔ اور مشاہدہ بھی یہی ہے کہ جو افراد حلیم الطبع، ہنس مکھ اور نرم مزاج والے ہوتے ہیں، ایسے لوگوں کے پاس جانے اور ان سے باتیں کرنے کا ہر کسی کا دل چاہتا ہے، اس کے بر خلاف غصیلے، درشت مزاج اور تند خو شخص سے ہر کوئی پہلو تہی کرتا ہے، کوشش کرتا ہے کہ ان حضرت کا سامنا نہ ہی ہو تو اچھا ہے۔ اس بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمان ہے:

إن الرفق لا يكون في شيء إلا زانه، ولا ينزع من شيء إلا شانه. (صحيح مسلم، (2004/4)، كتاب البر والصلة والآداب، باب فضل الرفق، رقم: 2594)

ترجمہ: بلاشبہ نرمی جس چیز میں بھی ہوتی ہے، وہ اسے خوبصورت بنا دیتی ہے اور جس چیز میں سے نرمی نکال دی جاتی ہے تو اسے بدنما وعیب دار کر دیتی ہے۔

نرمی سے محروم بھلائی سے محروم:

نرم مزاجی سے انسان کو خیر وبھلائی حاصل ہوتی ہے، اس کی وجہ سے دنیا میں بھی انسان کو اتنے فوائد مل سکتے ہیں جو سختی کرنے پر نہیں مل سکتے، نرم بات کا دوسرے دوسرے پر بھی اچھا اثر ہوتا ہے، جبکہ تیز لہجہ میں بات عموماً بے اثر ہوتی ہے، اور انسان بھلائیوں سے محروم رہتا ہے، اسی طرح آخرت کی بھلائیاں بھی نرم مزاجی سے حاصل ہوتی ہیں، چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے:

من أعطي حظه من الرفق فقد أعطي حظه من الخير، ومن حرم حظه من الرفق فقد حرم حظه من الخير. (سنن الترمذي، (435/3)، أبواب البر والصلة، باب ما جاء فى الرفق، رقم الحديث: 2013، الناشر: دار الغرب الإسلامي- بيروت، ط: 1998م)

ترجمہ: جس شخص کو نرمی سے حصہ دیا گیا اسے بھلائی سے حصہ دیا گیا اور جسے نرمی کے حصہ سے محروم رکھا گیا تو وہ بھلائی سے محروم ہوا۔

اور ایک دوسری روایت میں ہے:

من يحرم الرفق، يحرم الخير. (صحيح مسلم، (2003/4)، كتاب البر والصلة والآداب، باب فضل الرفق، رقم الحديث: 2592)

ترجمہ: جو آدمی نرمی اختیار کرنے سے محروم رہاوہ آدمی بھلائی سے محروم رہا۔

ایک اور روایت میں ہے:

إذا أراد الله عز وجل بأهل بيت خيرا، أدخل عليهم الرفق . (مسند أحمد، (488/40)، مسند النساء، رقم الحديث: 24427)

ترجمہ: جب اللہ تعالیٰ کسی گھرانے کے لوگوں سے خیر کا ارادہ فرمالیتا ہے تو ان میں نرمی پیدا فرما دیتا ہے۔

نرمی کا معاملہ کرنے والوں کے لیے نبوی دعا:

لوگوں کے ساتھ رفق ونرمی کا معاملہ کرنے کی ایک بڑی فضیلت یہ ہے کہ ایسے شخص کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی ہے، چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

سمعت من رسول الله صلى الله عليه وسلم، يقول في بيتي هذا: اللهم، من ولي من أمر أمتي شيئا فشق عليهم، فاشقق عليه، ومن ولي من أمر أمتي شيئا فرفق بهم، فارفق به. (صحيح مسلم، (1458/3)، كتاب الإمارة، باب فضيلة الإمام العادل، رقم الحديث: 1828)

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میرے اس گھر میں فرماتے سنا: اے اللہ! جس شخص کو میری امت کے کسی معاملہ کا والی وحاکم بنایا جائے، پھر وہ ان پر سختی کرے تو آپ بھی اس پر سختی کریں، اور میری امت میں سے جس کو کسی معاملہ کا والی بنایا جائے اور وہ ان سے نرمی کرے تو آپ بھی اس کے ساتھ نرمی کا معاملہ فرمائیں۔

خلاصہ کلام:

خلاصہ کلام یہ ہے کہ قرآن وسنت میں لوگوں کے ساتھ نرم خوئی ونرم مزاجی سے پیش آنے کی بہت اہمیت وفضلیت بیان کی گئی ہے، اور بلاوجہ سخت برتاؤ کرنے، پُر تشدد لہجہ اپنانے اور دوسروں کے ساتھ تند خوئی سے پیش آنے کی ممانعت آئی ہے۔ لہٰذا ہمیں بھی چاہیے کہ اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل کرتے ہوئے نرم مزاجی کی اعلیٰ صفت کو اپنائیں۔



باجماعت نماز کی اہمیت



حضرت مولانا محمد طارق نعمان گڑنگی صاحب

اسلام ایک جامع دین ہے، جو نہ صرف انسان کی انفرادی اصلاح کرتا ہے بلکہ اجتماعی زندگی کے بھی بہترین اصول وضع کرتا ہے۔ اس میں عبادات کو نہ صرف انفرادی ذمہ داری کے طور پر پیش کیا گیا بلکہ انہیں اجتماعی طور پر ادا کرنے کی ترغیب بھی دی گئی ہے۔ نماز، جو دین کا ستون ہے، اگر باجماعت ادا کی جائے تو اس کے روحانی، اجتماعی اور اخلاقی اثرات کئی گنا بڑھ جاتے ہیں۔

باجماعت نماز کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے نہ صرف فرض نمازوں کی بہترین ادائیگی قرار دیا بلکہ اس کے ذریعے گناہوں کی معافی اور درجات کی بلندی کی بھی خوش خبری دی۔ احادیثِ مبارکہ میں واضح طور پر ذکر کیا گیا ہے کہ باجماعت نماز میں شریک ہونے والے شخص کے پچھلے گناہوں کی بخشش کی جاتی ہے اور اس کا مقام اللہ کے نزدیک بلند کر دیا جاتا ہے۔ یہ عبادت نہ صرف گناہوں کا کفارہ بنتی ہے بلکہ مسلمانوں کے درمیان اتحاد، محبت اور بھائی چارے کو بھی مضبوط کرتی ہے۔

باجماعت نماز کی اہمیت

قرآنِ مجید میں کئی مقامات پر اللہ تعالیٰ نے اور سینکڑوں احادیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کی اہمیت کو واضح کیا ہے اور پابندی کے ساتھ نمازِ باجماعت ادا کرنے کا حکم دیا ہے۔ نماز میں کوتاہی اور سستی کرنے والوں کو منافقین کی صف میں شمار کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: نمازوں کی حفاظت کرو، بالخصوص درمیان والی نماز کی اور اللہ تعالیٰ کے لئے باادب کھڑے رہا کرو۔ (سورۃ البقرۃ:238)

دوسری جگہ ارشادِ باری تعالی ہے: اور نمازوں کو قائم کرو اور زکوۃ دو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔(سورۃالبقرۃ: 43)

یہ آیات نمازِ باجماعت ادا کرنے کی فرضیت پر واضح اور صریح دلائل ہیں۔ اگر مقصود صرف نماز قائم کرنا ہی ہوتا تو آیت کے آخر میں اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔ کے الفاظ نہ ہوتے، جو نمازِ باجماعت ادا کرنے کی فرضیت پر واضح نص ہیں۔

میدانِ جنگ میں باجماعت نماز

اللہ تعالی نے میدانِ جنگ میں بھی نمازِ باجماعت ادا کرنے کا حکم دیا ہے جو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ حالت امن میں بالاولی نمازِ باجماعت فرض ہے۔ ارشادِ باری تعالی ہے:

ترجمہ: جب تم ان میں ہو اور ان کے لئے نماز کھڑی کرو تو چاہیے کہ ان کی ایک جماعت تمہارے ساتھ اپنے ہتھیار لئے کھڑی ہو، پھر جب یہ سجدہ کر چکیں تو یہ ہٹ کر تمہارے پیچھے آجائیں اور وہ دوسری جماعت جس نے نماز نہیں پڑھی وہ آجائے اور تمہارے ساتھ نماز ادا کرے اور اپنا بچاؤ اور اپنے ہتھیار لئے رہیں۔(سورۃالنساء:102)

اگر کسی کو نمازِ باجماعت نہ ادا کرنے کی اجازت ہوتی تو سب سے پہلے اللہ تعالی ان مجاہدین کو اجازت دیتے جو میدانِ جنگ میں دشمن کے سامنے صفیں بنائے ہوئے کھڑے ہوتے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، میرا ارادہ ہوا کہ میں لکڑیوں کے جمع کرنے کا حکم دوں، پھر نماز کے لیے اذان دینے کا، پھر کسی سے کہوں کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائے اور میں اس کے بجائے ان لوگوں کے پاس جاؤں (جو جماعت میں شریک نہیں ہوتے) اور انہیں ان کے گھروں سمیت جلادوں۔(بخاری:2420، مسلم:651)

نابینا شخص اور باجماعت نماز

نابینا شخص کے لیے بھی جماعت سے غیر حاضری کی اجازت نہیں ہے۔ حضرت عبد اللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے عرض کیا: اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) مدینہ میں کیڑے مکوڑے (سانپ بچھو وغیرہ) اور درندے بہت ہیں، (تو کیا میں گھر میں نماز پڑھ لیا کروں) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: کیا تم حی علی الصلاۃ، اور حی علی الفلاح کی آواز سنتے

ہو؟ انہوں نے کہا: جی ہاں، (سنتا ہوں) تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پھر تو مسجد آ، اور آپ نے انہیں جماعت سے غیر حاضر رہنے کی اجازت نہیں دی۔ (صححہ الالبانی فی صحیح النسائی:850)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم نے ایسے وقت بھی دیکھے ہیں جب صرف وہی شخص نماز سے پیچھے رہتا تھا جس کا نفاق معلوم ہوتا یا بیمار ہو۔ اور (بسا اوقات) بیمار بھی دو آدمیوں کے سہارے سے چل کر آجاتا یہاں تک کہ نماز میں شامل ہو جاتا۔ انہوں نے مزید کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ہدایت کے طریقوں کی تعلیم دی اور ہدایت کے طریقوں میں سے ایسی مسجد میں نماز پڑھنا بھی ہے جس میں اذان دی جاتی ہو۔ (صحیح مسلم:1487)

لہذا کسی مسلمان کے لئے بھی یہ جائز نہیں ہے کہ وہ نماز جیسے عظیم الشان اور اہم ترین فریضے کی ادائیگی میں کوتاہی یا سستی کرے۔

نمازِ باجماعت گناہوں کی مغفرت کا ذریعہ

اللہ تعالی نے حضرتِ انسان پر بہت بڑا احسان کیا کہ انسان سے سرزد ہونے والے گناہوں کی معافی کے لیے ایسے نیک اعمال کی ترغیب دلائی ہے کہ جس کے کرنے سے انسان کے زندگی بھر کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ لہذا ایک مسلمان کے لئے اپنی زندگی میں اللہ تعالی کی مغفرت اور رحمت کے حصول کے ذرائع اور اسباب اختیار کرنا نہایت ہی ضروری ہے کیونکہ اصل محروم تو وہی ہے جو ایمان اور اللہ کی مغفرت و رحمت سے محروم رہ گیا اور جو گناہوں کی مغفرت اور برائیوں کے کفارے کے اسباب اپنانے سے محروم رہا وہ بھی محروم ہے۔

درج ذیل سطور میں باجماعت نماز اور گناہوں کی مغفرت کے عنوان پر چند احادیث پیش کی جارہی ہیں تاکہ مسلمانوں کو باجماعت نماز ادا کرنے میں رغبت و دلچسپی ہو اور باجماعت نماز میں کوتاہی کرنے والوں کو تنبیہ ہو۔

1۔ وضو اور نماز کی تیاری

وضو کرکے نماز کی تیاری کرنے سے گناہوں کی مغفرت ہوتی ہے۔ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے وضو کیا اور خوب اچھی طرح وضو کیا، تو اس کے جسم سے اس کے گناہ خارج ہو جاتے ہیں حتی کہ اس کے ناخنوں کے نیچے سے بھی نکل جاتے ہیں۔ (صحیح مسلم:578)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے: جو شخص بھی اچھی طرح وضو کرے، پھر نماز پڑھے، تو اس کے اس نماز سے لے کر دوسری نماز پڑھنے تک کے دوران ہونے والے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔(صحیح مسلم:227)

2۔ باجماعت نماز کا اہتمام کرنا

جماعت کے ساتھ نماز کی پابندی کرنے سے گناہوں کی مغفرت ہوتی ہے۔ حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہنے لگا: اے اللہ کے رسول! میں حد (سزا) کا مرتکب ہو گیا ہوں۔ مجھ پر حد قائم فرمائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا بھلا تو نے آتے وقت وضو کیا تھا؟ اس نے کہا: جی ہاں! آپ نے فرمایا: کیا تو نے ہمارے ساتھ مل کر نماز پڑھی ہے؟ اس نے کہا: جی ہاں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جائو اللہ نے تجھے معاف کر دیا ہے۔(صحیح مسلم:2765)

3۔ باجماعت نماز کی نیت بھی باعثِ ثواب

باجماعت نماز کی نیت بھی باعثِ ثواب ہے۔ یعنی کوئی شخص جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کی نیت کے ساتھ مسجد آیا لیکن پھر بھی جماعت نہ مل سکی تو اس کی نیت اور کوشش کی وجہ سے اسے جماعت کے ساتھ نماز کا ثواب ملے گا۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے وضو کیا اور اچھی طرح وضو کیا، پھر مسجد کی طرف چلا تو دیکھا کہ لوگ نماز پڑھ چکے ہیں تو اسے بھی اللہ تعالی جماعت میں شریک ہونے والوں کی طرح ثواب دے گا، اس سے جماعت سے نماز ادا کرنے والوں کے ثواب میں کوئی کمی نہیں ہو گی۔(صححہ الالبانی فی صحیح النسائی:854)

4۔ خشوع و خضوع کے ساتھ نماز ادا کرنا

نماز کو خشوع و خضوع کے ساتھ ادا کرنے سے گناہوں کی مغفرت ہوتی ہے۔ سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کوئی بھی مسلمان فرض نماز کا وقت پائے پھر وہ اس کے لیے اچھی طرح وضو کرے، اچھی طرح خشوع سے اسے ادا کرے اور احسن انداز سے رکوع کرے، تو وہ نماز اس کے پچھلے گناہوں کا کفارہ ہو گی جب تک وہ کبیرہ گناہ کا ارتکاب نہیں کرتا اور یہ عمل ہمیشہ کے لیے ہے۔(صحیح مسلم:228)

5۔ باجماعت نماز کے لئے چل کر جانا

باجماعت نماز کے لیے چل کر جانے سے گناہوں کی مغفرت ہوتی ہے۔ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: جس نے نماز کے لیے وضو کیا اور وضو کی تکمیل کی، پھر فرض نماز کے لیے چل کر گیا اور لوگوں کے ساتھ یا جماعت کے ساتھ نماز ادا کی یا مسجد میں نماز پڑھی، اللہ تعالی اس کے گناہ معاف کر دے گا۔(صحیح مسلم:232)

6۔ مسجد سے واپسی بھی کارِ ثواب

جس طرح باجماعت نماز کے لئے مسجد کی طرف چل کر جانا باعثِ مغفرت وکارِ ثواب ہے اسی طرح مسجد سے واپسی بھی باعثِ مغفرت اور کارِ ثواب ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہصلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص جماعت کی نماز کے لیے مسجد جاتا ہے، اس کا ایک قدم اس کا گناہ مٹاتا ہے اور دوسرا قدم اس کے لیے نیکی لکھتا ہے، یہ اجر مسجد جاتے اور مسجد سے واپس آتے دونوں وقت حاصل ہوتا ہے۔(حسنہ الالبانی فی صحیح الترغیب:299)

یہ اللہ تعالی کے فضل اور اس کی رحمت کی وسعت کا نتیجہ ہے، اگرچہ اس (شخص) نے جماعت کے ساتھ نماز نہیں پڑھی لیکن چونکہ وہ شخص جماعت کے ساتھ نماز کی نیت سے چل کر مسجد آیا تھا تو اس کے لیے جماعت کے برابر اجر ملے گا۔ ایک مسلمان نمازی کے لئے اس سے بڑھ کر اور کیا اعزاز ہو سکتا ہے۔(بخاری:477، مسلم:649)

7۔ مسجد میں باجماعت نماز کا انتظار

مسجد میں باجماعت نماز کے لئے انتظار کرنے سے گناہوں کی مغفرت ہوتی ہے ۔ کیونکہ زیادہ دیر بیٹھنے اور انتظار کے دوران فرشتے انتظار کرنے والے کے لیے دعائے مغفرت کرتے رہتے ہیں۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا گھر کے اندر یا بازار میں نماز پڑھنے سے پچیس گنا ثواب زیادہ ملتا ہے۔ پس جب تم میں سے کوئی شخص وضو کرے اور اس کے آداب کا لحاظ رکھے پھر مسجد میں صرف نماز کی غرض سے آئے تو اس کے ہر قدم پر اللہ تعالی ایک درجہ اس کا بلند کرتا ہے اور ایک گناہ اس سے معاف کرتا ہے۔ اس طرح وہ مسجد کے اندر آئے گا۔ مسجد میں آنے کے بعد جب تک نماز کے انتظار میں رہے گا اسے نماز ہی کی حالت میں شمار کیا جائے گا اور جب تک اس جگہ بیٹھا رہے جہاں اس نے نماز پڑھی ہے تو فرشتے اس کے لیے رحمتِ خداوندی کی دعائیں کرتے ہیں کہ اے اللہ! اس کو بخش دے، اے اللہ! اس پر رحم کر۔(فرشتے دعا کرتے رہتے ہیں) جب تک وہ بے وضو نہ ہو جائے۔(بخاری:651، مسلم:662)

اجر وثواب کے لحاظ سے سب سے بڑا انسان

باجماعت نماز ادا کرنے والا اجر وثواب کے لحاظ سے سب سے بڑا انسان ہے۔ حضرت ابو موسی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: نماز میں ثواب کے لحاظ سے سب سے بڑا وہ شخص ہوتا ہے، جو (مسجد میں نماز کے لیے) زیادہ سے زیادہ دور سے آئے اور جو شخص نماز کے انتظار میں بیٹھا رہتا ہے اور پھر امام کے ساتھ پڑھتا ہے اس شخص سے اجر میں بڑھ کر ہے جو (پہلے ہی) پڑھ کر سو جائے۔ (بخاری:651، مسلم:662)

8۔ امام کے پیچھے آمین کہنا

نمازِ جہری میں امام کے پیچھے آمین کہنے سے گناہوں کی مغفرت ہوتی ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان رتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب امام غیر المغضوب علیہم ولا الضالین کہے تو تم آمین کہو کیونکہ جس کا آمین کہنا ملائکہ کے آمین کہنے کے ساتھ ہو جائے اس کی تمام پچھلی خطائیں معاف ہو جاتی ہیں۔ (الترغیب والترہیب، کتاب الصلوۃ، ج: 1، ص: 130)

9۔ رکوع سے اٹھنے کے بعد اللہم ربنالک الحمد کہنا

رکوع سے اٹھنے کے بعد امام کے ساتھ ذکر میں شریک ہونے کی وجہ سے گناہوں کی مغفرت ہوتی ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب امام سمع اللہ لمن حمدہ کہے تو تم اللہم ربناولک الحمد کہو۔ کیونکہ جس کا یہ کہنا فرشتوں کے کہنے کے ساتھ ہو گا، اس کے پچھلے تمام گناہ بخش دیے جائیں گے۔ (صححہ الالبانی فی صحیح الترمذی: 267)

10۔ نماز میں پہلی اور دوسری صف میں کھڑا ہونا

نمازِ باجماعت میں پہلی اور دوسری صف میں کھڑے ہونے سے گناہوں کی مغفرت ہوتی ہے۔ حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالی سے پہلی صف والوں کے لیے تین بار اور دوسری صف والوں کے لیے ایک بار مغفرت طلب کرتے تھے۔ (صححہ الالبانی فی صحیح ابن ماجہ:822)

رسول اللہ ﷺ کی دعائے مغفرت کا نتیجہ

جب ایک مومن مسلمان کے لیے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بخشش طلب کریں تو اللہ تعالی اس کو ضرور بخش دیتے ہیں۔ لہذا پہلی صف میں کھڑا ہونا چاہیے۔ اگر یہ ممکن نہ ہو تو دوسری صف میں کھڑا ہو کر بخشش کا مستحق بننا چاہئے کیونکہ پہلی صف کی فضیلت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔ حضرت برا ابن عازب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: بیشک اللہ تعالی پہلی صف والوں پر اپنی رحمت نازل فرماتا ہے اور اس کے فرشتے اس کے حق میں دعا کرتے ہیں۔(صححہ الالبانی فی صحیح ابن ماجہ:997)

11۔ تشہد میں مغفرت طلب کرنا

تشہد میں دعائے مغفرت مانگنے سے گناہوں کی مغفرت ہو جاتی ہے۔ حضرت محجن بن ادرع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لائے تو ایک شخص (کو دیکھ کر) جس کی نماز ختم ہونے کے قریب تھی اور وہ تشہد میں یہ دعا کر رہا تھا۔ اے اللہ! بے شک میں آپ سے سوال کرتا ہوں، اے اللہ! تو ایک ہے، تو بے نیاز ہے، تو وہ ذات ہے جس نے نہ کسی کو جنا اور نہ ہی وہ جنا گیا اور اس کا کوئی ہمسر نہیں ہے۔ (یہ کہ) تو میرے گناہوں کو معاف کر دے، بے شک تو بڑا بخشنے والا اور بڑا رحم کرنے والا ہے۔ محجن بن ادرع کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا: اس کو بخش دیا گیا، اس کو بخش دیا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جملہ تین بار فرمایا۔(صححہ الالبانی فی صحیح النسائی:1300)

قارئین کرام! درج بالا احادیث سے یہ معلوم ہوا کہ جو مسلمان اپنے گھر میں اکیلا نماز پڑھتا ہے، اس نے جماعت چھوڑ کر کس عظیم فضیلت سے خود کو محروم کر دیا ہے اور نمازِ باجماعت کے ذریعے جو گناہوں کی مغفرت نصیب ہوتی ہے، اس سے وہ کس قدر دور ہے۔ وہ یہ بھی سوچے کہ یہ عبادت روزانہ پانچ مرتبہ دہرائی جاتی ہے۔ ہر نماز میں ان فضائل کا سلسلہ جاری رہتا ہے، کیونکہ وہ پانچ بار مسجد جاتا ہے اور سترہ رکعات پڑھتا ہے۔ تو ہفتے، مہینے اور سال میں کتنی رکعات بن جائیں گی؟ ہر رکعت میں امام کے ساتھ سورۃ الفاتحہ اور رکوع کے بعد ذکر میں شامل ہو کر اس کے لیے مغفرت کا ایک نادر موقع موجود ہوتا ہے، اس کے ساتھ ساتھ وہ فرشتوں کی دعائوں کا بھی مستحق بن سکتا ہے اور اس طرح اس کے پچھلے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ اگر وہ مسلسل ایسی حالت میں رہے تو ممکن ہے کہ جب وہ اللہ سے ملے تو گناہوں سے پاک ہو۔ اس طرح مسلمان کے لیے مئوذن کے الفاظ حی علی الفلاح (آئو کامیابی کی طرف) کا مفہوم واضح ہو جاتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے درج ذیل فرمان کا بھی مطلب سمجھ آتا ہے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بھلا بتائو تو

صحیح، اگر تم میں سے کسی کے دروازے پر نہر ہو اور وہ اس نہر میں ہر دن پانچ بار نہائے تو کیا اس کے جسم پر کچھ بھی میل کچیل رہے گا؟ صحابہ نے کہا: اس کے جسم پر تھوڑی بھی میل نہیں رہے گی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہی مثال ہے پانچوں نمازوں کی، ان نمازوں کی برکت سے اللہ تعالی گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔ (بخاری: 528، مسلم: 667)

بہت افسوس کی بات ہے کہ آج کل بہت سے مسلمان جماعت کی نماز سے غافل رہتے ہیں اور اس عظیم اجر کو ضائع کرتے ہیں۔ درحقیقت بغیر کسی عذر کے جماعت کی نماز چھوڑنا ایک گناہ ہے، بغیر عذرِ شرعی باجماعت نماز نہ پڑھنے کو منافقت کی نشانی قرار دیا گیا ہے اور ایسے لوگوں کے لیے سخت وعید ہے۔ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:: جس گائوں یا بستی میں تین آدمی ہوں اور جماعت نہ قائم کریں تو شیطان ان پر مسلط ہو جاتا ہے لہذا جماعت کو ضروری سمجھو کیونکہ بھیڑیا بچھڑی ہوئی بکری کو کھاتا ہے۔ (حسنہ الالبانی فی صحیح ابی دائود: 541)

قارئین کرام! احادیثِ مبارکہ سے نمازِ باجماعت کی اہمیت اور فوائد معلوم ہو گئے، لہذا ہمیں باجماعت نماز سے غائب اور پیچھے رہنے سے حتی الامکان بچنا چاہیے۔ اللہ سے ڈرتے ہوئے پانچ وقت کی نماز جماعت کے ساتھ مسلمانوں کے ساتھ مساجد میں ادا کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ ہمیں اپنے بچوں اور جن لوگوں کی ذمہ داری ہم پر ہے، ان کی بھی اس بارے میں تربیت کرنی چاہیے، کیونکہ ہم ان کے بارے میں اللہ کے سامنے جوابدہ ہوں گے۔

نیز اللہ پاک کا پیارا بننے کے لئے، درجات کی بلندی کو پانے کے لئے، جنت میں داخلے کے لئے، جہنم سے آزادی کے لئے، منافقت سے نجات پانے کے لئے، شیطان سے حفاظت کے لئے اور اسی طرح اللہ پاک کی رحمت، مغفرت اور بہت سے فوائد حاصل کرنے کے لئے نمازِ باجماعت کی پابندی کیجئے اور دوسروں کو بھی نیکی کی دعوت دے کر باجماعت نماز پڑھنے کی ترغیب دلائیے۔

اللہ تعالی سے دعا ہے کہ وہ ہم سب کو نمازِ باجماعت کا پابند بنائے اور ہمیں نیک اعمال کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہمارے نیک اعمال کو قبول فرمائے۔ (آمین یارب العالمین)

دعا کیجئے



اللہ حج پر بلالے دعا کیجئے

اپنے در کی حاضری عطا فرمادے دعا کیجئے

رحمتوں کے سائے میں وقت گزر جائے دعا کیجئے

اپنے رب سے مناجات ہو جائے دعا کیجئے

رب کی عطا ہو جائے دعا کیجئے

جی بھر کر دیکھوں اپنے محبوب کا در دعا کیجئے

رحمتوں کے سمندر میں غوطہ زن ہو جاؤں دعا کیجئے

پڑھوں درود روضہ کے سامنے دعا کیجئے

کروں بات اپنے محبوب سے دعا کیجئے

کروں سلام آقا کے یاروں کو دعا کیجئے

رہ جاؤں انہی وادیوں میں واپس نہ آؤں دعا کیجئے

بقیع داؤد کو اپنے دامن میں سمیٹ لے دعا کیجئے

محمد داؤد الرحمن علی



عالم دین دولت سے مرعوب نہیں ہوتا

حضرت مولانا محمد عبید الرحمن صدیق صاحب

سلطان ملک شاہ سلجوقی اپنے دار السلطنت نیشاپور میں مقیم تھا۔ اس نے اپنی سلطنت کے مختلف شہروں کے دورے کا پروگرام بنایا۔ رمضان المبارک کے مقدس مہینے کا آخری عشرہ تھا۔ اس نے فیصلہ کیا کہ جیسے ہی رمضان ختم ہوگا وہ عید کے فوراً بعد دورے پر نکل جائے گا۔ رمضان المبارک کی ۲۹ ویں شب تھی۔ اس نے اپنے وزرا اور مصاحبوں کے ساتھ چاند دیکھنا شروع کیا۔ خوشامدی مصاحب موجود تھے، انہوں نے شور مچادیا کہ حضور چاند نکل آیا ہے۔ سلطان نے گو خود چاند نہیں دیکھا اور نہ کسی اور ذمہ دار نے دیکھا، لیکن بادشاہ کی مرضی اور اس کا خیال معلوم کر کے سب نے اس کو رؤیت ہلال کا یقین دلا دیا اور حکم ہو گیا کہ کل عید ہے۔

امام الحرمین ابو المعالی جو مفتی اور رئیس القضاۃ تھے، ان کو خبر ہوئی تو انہوں نے منادی کو بلوایا اور کہا کہ ان الفاظ کے ساتھ منادی کرادو:

”ابو المعالی کہتا ہے: کل تک ماہ رمضان ہے۔ جو میرے فتویٰ پر عمل کرنا چاہتا ہے اسے لازم ہے کہ کل بھی روزہ رکھے۔“

رئیس القضاۃ کی اس منادی کو مفتریوں نے نہایت برے الفاظ میں سلطان تک پہنچایا؛ بلکہ یہاں تک کہا کہ ابو المعالی کے خیالات سلطنت کے بارے میں اچھے نہیں ہیں اور عوام ان کے معتقد ہیں۔ اگر سلطان کے حکم کے مطابق عید نہ ہوئی تو بڑی توہین اور ذلت ہوگی۔ سلطان طبیعت کا برا نہیں تھا، اس لیے امام الحرمین کی منادی ناگوار گزرنے کے باوجود اس نے حکم دیا کہ ان کو عزت و احترام کے ساتھ میرے پاس لاؤ۔ فتنہ پردازوں نے پھر کہا کہ جو شخص سلطان کے حکم کی عزت نہ کرے، وہ قابل احترام نہیں ہے۔ سلطان نے کہا: جب تک میں براہِ راست ان سے گفتگو اور حقائق معلوم نہ کرلوں ایسے رفیع القدر شخص کی

عزت میں فرق نہیں آنا چاہیے۔ قاضی صاحب کو جب شاہی پیغام پہنچا تو اس خیال سے کہ درباری لباس پہننے سے دیر نہ ہو جائے اور حاسیدین اللہ جانے دربار میں کس پیرایے میں میری تاخیر بیان کریں، جیسے کپڑے پہنے ہوئے تھے اسی طرح اٹھ کھڑے ہوئے۔ محل کے دروازے پر دربان نے روکا کہ درباری لباس کے بغیر اندر جانا منع ہے۔ ادھر حاسیدین نے سلطان کو اطلاع دی کہ امام الحرمین نے پہلے ہی حکم عدولی کی ہے، اب دوسری گستاخی یہ کی ہے کہ معمولی لباس پہن کر آگئے ہیں۔ سلطان کی طبیعت کچھ اور مکدر ہو گئی، مگر اندر آنے کا حکم دیا۔ رئیس القضاۃ جیسے ہی دربار میں آئے سلطان نے پوچھا: اس ہیئت کذائی سے آپ کیوں تشریف لائے ہیں اور درباری کیوں نہیں پہنا؟

قاضی صاحب نے کہا: ”اے سلطان! میں اس وقت جس لباس میں ہوں اسی سے نماز پڑھتا ہوں اور وہ شرعاً جائز ہے۔ پس جب اللہ کے سامنے میں اسی طرح پیش ہوتا ہوں تو آپ کے سامنے آنے میں کیا قباحت؟ البتہ دستور کے مطابق میرا لباس درباری نہیں ہے اور اس کی وجہ گستاخی نہیں؛ بلکہ میں نے سوچا کہ ذرا سی دیر کی غفلت میں فرشتے میرا نام نافرمانوں کی فہرست میں نہ لکھ لیں اور مجھ سے بادشاہ اسلام کے حکم کی مخالفت سرزد نہ ہو جائے، اس لیے جلدی میں جس طرح بیٹھا تھا اسی طرح چلا آیا۔“

سلطان نے کہا: ”جب اسلام میں حاکم کی اطاعت اس قدر واجب ہے تو پھر ہمارے حکم کے خلاف منادی کرانے کے کیا معنی ہیں؟“

قاضی صاحب نے فرمایا: ”جو امور حکم سلطانی پر موقوف ہیں، ان کی اطاعت ہم پر فرض ہے اور جو حکم فتویٰ کے متعلق ہے وہ بادشاہ ہو یا کوئی اور، اسے مجھ سے پوچھنا چاہیے کیوں کہ بحکم شریعت علما کا فتویٰ حکم شاہی کے برابر ہے۔“

جب سلطان نے امام صاحب کی یہ تقریر سنی تو اس کا غصہ جاتا رہا اور ان کی جرأت وصداقت سے بہت خوش ہوا اور اعلان کرا دیا کہ میرا حکم درحقیقت غلط تھا اور امام الحرمین ورئیس القضاۃ کا فیصلہ صحیح ہے۔

آج بھی اگر علمائے کرام بادشاہوں سے مرعوب نہ ہوں اور حق گوئی کو اپنا شعار بنالیں تو حکمران احترام کرنے پر مجبور ہو جائیں گے اور اسی طریقے پر عمل ہونے سے آسمان کے نیچے عدل وانصاف اور امن وامان قائم ہو سکتا ہے۔` (نظام الملک طوسی ۱/ ۱۳۳، بحوالہ سنہرے فیصلے: ۲۶ تا ۲۶۲)

اپنے نفس کو کنٹرول کریں۔



محمد حفص فاروقی صاحب

اللہ کا خوف پیدا کریں:

قرآن و سنت کی تعلیمات کو دل میں جگہ دیں اور آخرت کا خیال رکھیں۔ "اور جو اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرتا رہا اور نفس کو خواہش سے روکا، تو جنت اس کا ٹھکانہ ہے۔" (سورۃ النازعات: 40-41)

نماز کی پابندی کریں:

نماز انسان کو گناہوں اور برائیوں سے روکتی ہے۔ "بے شک نماز بے حیائی اور برے کاموں سے روکتی ہے۔" (سورۃ العنکبوت: 45)

روزے رکھیں:

روزہ نفس کی خواہشات کو قابو میں رکھنے کا بہترین ذریعہ ہے۔ "روزہ ڈھال ہے (گناہوں سے بچانے کے لیے)۔" (صحیح بخاری: 1904)

اچھے لوگوں کی صحبت:

نیک اور پرہیزگار لوگوں کے ساتھ رہیں، جو دین پر عمل کرنے کی ترغیب دیں۔

ذکر و دعا:

استغفار، تسبیحات اور اللہ سے مدد مانگیں۔ "اللہ کے ذکر سے دل اطمینان پاتے ہیں۔" (سورۃ الرعد: 28)



اہل بیت کون؟

(قسط چہارم)

ڈاکٹر محمد عثمان غنی صاحب

پنج تن پاک کا تصور:

حدیث کساء کو بنیاد بنا کر فقط اہل بیت کا مصداق حضرت فاطمہ و علی اور حضرت حسن و حسین رضوان اللہ علیہم اجمعین کو قرار دیکر پنج تن پاک کا تصور عام کیا جاتا ہے۔ حالانکہ دلائل اور قرائن اس بات پر شاہد ہیں کہ اہل بیت کا مصداق ازواجِ مطہرات، اولاد، نواسے نواسیاں، اور داماد ہیں۔ اور ان سب پر پاک ہونے کا کلیہ لازم آتا ہے۔

مصداقِ ثالث: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے نواسیاں

نواسے: علی بن ابی العاص رضی اللہ عنہما عبد اللہ بن عثمان رضی اللہ عنہما حسن بن علی رضی اللہ عنہما حسین بن علی رضی اللہ عنہما

نواسیاں: امامہ بنت ابی العاص رضی اللہ عنہما ام کلثوم بنت علی رضی اللہ عنہما زینب بنت علی رضی اللہ عنہا رضی اللہ عنہما

1۔ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما

جنت کی عورتوں کی سردار حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے بطن سے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے سب سے بڑے صاحبزادے ہیں، سن ۳ھ میں پیدا ہوئے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام حسن رکھا، ساتویں دن ان کا عقیقہ کیا، ان کے بال مونڈوائے اور بالوں کے وزن کے برابر چاندی صدقہ کی۔ صحابیِ رسول، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لاڈلے نواسے، جنتی جوانوں کے سردار، گلشنِ نبوت کے گلِ سرسبد اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ تھے۔ (اسد الغابہ)

سیدہ خاتونِ جنت رضی اللہ عنہا کی گود جب سبطِ رسول خوشبوئے نبوت سے مہکی تو آنحضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس تشریف لائے، نومولود کو اپنے دستِ مبارک میں اُٹھایا، گھٹی دی، لعابِ دہن منہ میں ڈالا اور خوب صورت نام "حسن" رکھا۔ نیز رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے کان میں اذان دی اور ساتویں روز عقیقہ کیا۔ (الاستیعاب، اسد الغابہ)

آپ کا اسم سامی حسن، کنیت ابو عبد اللہ اور "سید شباب اَہل الجنۃ" (اہلِ جنت کے سردار) اور "ریحانۃ النبي" (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خوشبودار پھول / خوشبوئے نبوت) لسانِ نبوت سے ملے ہوئے القاب ہیں۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ "خامس اَہل الکساء" ہیں، یعنی ان پانچ مبارک شخصیات میں سے ہیں، آیتِ تطہیر اُترنے کے بعد جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیتِ تطہیر کے مصداق میں داخل اور شامل فرمایا۔ (اسد الغابہ، ج:۱، ص:۴۹۶)

"سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ایک بار سیدنا حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو کھیلتے ہوئے دیکھا تو پیار سے اُن کو کندھوں پر اُٹھالیا اور فرمایا کہ: حسن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ ہیں، علی (رضی اللہ عنہ) کے مشابہ نہیں ہیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ یہ دیکھ کر اور سن کر ہنس رہے تھے۔" (صحیح البخاری، رقم:۳۵۴۲، ۳۷۵۰)

رمضان المبارک سن ۴۰ھ میں خلیفۂ راشد حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی شہادت ہوئی، تو حضرت حسن رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے، تقریباً چھ ماہ بعد کاتبِ وحی سیدنا معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے ساتھ صلح کرلی اور ان کے ہاتھ پر بیعت کی، اپنے ساتھیوں کو بھی حکم ارشاد فرمایا کہ سیدنا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کرلیں، یوں آپ کی بدولت اُمت کے دو منتشر گروہ جمع ہوگئے، اسلامی اتحاد کی ایک مضبوط شکل قائم ہوئی، اُمت کا بکھرا شیرازہ مجتمع ہوگیا، تمام امت ایک امیر اور امام عادل سیدنا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے امر کے تحت جمع ہوگئی اور اس سال کو "عام الجماعۃ" (اتحاد و اتفاق کا سال) قرار دیا گیا۔ صلح کے بعد سیدنا حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ دونوں حضرات سواری پر بیٹھ کر کوفہ میں داخل ہوئے۔ (البدایہ والنہایہ، سیر اعلام النبلاء)

یہ دراصل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی پوری ہوئی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائی تھی:

"إِنَّ ابْنِيْ هٰذَا سَيِّدٌ وَلَعَلَّ اللهَ اَنْ يُصْلِحَ بِهٖ بَيْنَ فِئَتَيْنِ عَظِيْمَتَيْنِ مِنَ الْمُسْلِمِينَ۔" (صحیح البخاری، رقم:۲۷۰۴، ۳۷۴۶)

"میرا یہ سردار بیٹا مسلمانوں کی دو عظیم جماعتوں میں صلح کرائے گا۔"

مشہور قول کے مطابق حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا انتقال ربیع الاول ۴۹ھ میں ۴۶ سال کی عمر میں ہوا۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے بیٹوں کے نام یہ ہیں: حسن (حسن مثنیٰ)، زید، عمر، قاسم، عبد اللہ، ابو بکر، عبد الرحمٰن، حسین، طلحہ ۔ پانچ بیٹیوں کے نام: فاطمہ، رقیہ، اُمِ سلمہ، امِ عبد اللہ، ام الخیر ہیں۔ رحمہم اللہ اجمعین

عمرؓ، قاسمؒ اور عبد اللہؓ میدانِ کربلا میں شہید ہوئے۔

2۔ حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما

سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ جنت کی عورتوں کی سردار حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا اور خلیفۂ راشد سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے دوسرے صاحبزادے ہیں، آپ صحابیِ رسول، نواسۂ رسول، باغِ نبوت کے مہکتے پھول، جنتی جوانوں کے سردار اور شہیدِ کربلا ہیں، شکل و صورت میں اپنے والد سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے مشابہ تھے اور بدن مبارک حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے بدن کے مشابہ تھا۔ (جامع الترمذی، رقم:۳۷۷۹، البدایۃ والنہایۃ، اسد الغابۃ)

آپ کا اسم سامی حسین، کنیت ابو عبد اللہ اور "سید شباب أہل الجنۃ" (اہلِ جنت کے سردار) اور "ریحانۃ النبي" (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خوشبودار پھول / خوشبوئے نبوت) لسانِ نبوت سے ملے ہوئے القاب ہیں۔ آپ کی تاریخِ پیدائش میں مؤرخین کے مختلف اقوال ہیں، مشہور قول ۴ ہجری ہے۔ جنت کی عورتوں کی سردار حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی گود جب سبطِ رسول خوشبوئے نبوت سے مہکی تو آنحضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس تشریف لائے، نومولود کو اپنے دستِ مبارک میں اُٹھایا، گھٹی دی، لعابِ دہن منہ میں ڈالا اور خوب صورت نام "حسین" رکھا۔ نیز رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے کان میں اذان دی اور ساتویں روز عقیقہ کیا۔ (مستدرکِ حاکم، رقم:۴۸۲۷۔ المعجم الکبیر:۹۲۶۔ ابن کثیر، ج:۸، ص:۱۶۰)

حضرت حسین رضی اللہ عنہ "خامس أہل الکساء" ہیں، یعنی ان پانچ مبارک شخصیات میں سے ہیں، جن کو آیتِ تطہیر اُترنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیتِ تطہیر کے مصداق میں داخل اور شامل فرمایا۔ (اسد الغابہ، ج:۱، ص:۴۹۶)

آپ کی ازواجِ طاہرات علیہن الرحمۃ والرضوان میں لیلیٰ، حباب، حرار اور غزالہ شامل ہیں۔

اولاد درج ذیل ہے: صاحبزادیوں میں سُکینہ، فاطمہ اور زینب۔ (سیر الصحابہؓ) بیٹوں میں: علی اکبر، علی اصغر، زید، ابراہیم، محمد، حمزہ، ابو بکر، جعفر، عمر، یزید۔ رحمہم اللہ اجمعین (تاریخ الائمہ، ص:۸۳)

آپ رضی اللہ عنہ کی شہادت کا المناک واقعہ ۱۰ر محرم الحرام ۶۱ھ بروز جمعہ پیش آیا۔



شذراتِ علمیہ

(قسط دوم)

سمیع اللہ حضروی صاحب

جُملہ

جملہ جسے کلام تام کہتے ہیں سے مراد مختلف الفاظ کا ایسا مجموعہ جو اپنے پورے معانی دے یا سننے والے، کہنے والے کا مطلب یا بات پوری طرح سمجھ آجائے۔ ایسے جملے کو کلامِ مفیدہ، کلام تام یا مرکب مفیدہ کہتے ہیں۔

جملہ کوئی بھی ہو بلحاظِ قواعد دو اجزاء پر مشتمل ہوتا ہے۔

1-مُسند: مُسند (م مضموم) یہ مفعول کا صیغہ ہے جس کا مطلب سند کے ساتھ بیان کیا گیا۔ سہارا دیا ہوا۔ بات جو کسی کے بارے میں کہی گئی ہو خبر وغیرہ۔ جیسے:

احمد ہنستا ہے۔

اس جملے میں "ہنستا ہے" خبر ہے جسے مُسند کہا جاتا ہے۔

2-مُسند الیہ: جملے میں جس شخص یا چیز وغیرہ کا ذکر کیا گیا ہو مُسند الیہ کہلاتا ہے۔ جیسے:

اوپر کی مثال میں احمد مُسند الیہ ہے کیوں کہ اس کے ہنسے کی بابت بات کی گئ ہے۔

مُسند اور مُسند الیہ کا تعلق اِسناد کہلاتا ہے۔ جیسے:

احمد اور ہنستا ہے اِسناد ہیں۔

جملہ کی دو اقسام ہیں۔

1-جملہ ناقص:

اسے کلام ناقص، کلام غیر مفیدہ یا مرکبِ ناقص بھی کہا جاتا ہے۔

الفاظ کا ایسا مجموعہ جو اپنے پورے معانی نہ دے یا سننے والا پورا مطلب نہ سکے۔ جیسے:

میری کتاب، خوب صورت پھول، کڑوا پھل وغیرہ۔

دی گئی تینوں مثالیں اپنا پورا مطلب نہیں دے رہیں اس لیے انھی کلام ناقص کہا جاتا ہے۔

جملے کی دو اقسام ہیں:

1-جملہ اسمیہ یا اسمیہ خبریہ۔

2-جملہ اسمیہ فعلیہ یا اسمیہ فعلیہ خبریہ۔

اب ان اقسام کی مختصر وضاحت =

1-جملہ اسمیہ یا اسمیہ خبریہ:

اس کی مختصر پہچان تو یہ ہے کہ ایسا جملہ جس میں کسی فعل یعنی کام کا ذکر نہ کیا گیا ہو۔

اس کی دوسری پہچان یا تعریف یہ ہے کہ جس حملہ میں مُسند، مُسنذ الیہ اور فعل ناقص ہو جملہ اسمیہ یا اسمیہ خبریہ کہا جاتا ہے۔
مثال:

1-اسلم نیک ہے۔

2-موسم ابر آلود تھا۔

3- آم کڑوا ہو گا۔

اب مذکورہ جملوں کی ترکیبِ نحوی کر کے دیکھتے ہیں درج بالا جملے کون سے ہیں؟

جملہ معترضہ کے طور پر پہلے ترکیبِ نحوی سے متعلق بات کی جائے۔

جس طرح کسی شعر کے باوزن یا بے وزن جاننے اور بحر معلوم کرنے کے لیے تقطیع کی ضرورت پڑتی ہے اسی طرح جملے درست یا غلط ہونے اور کلامِ ناقص، کلامِ مفیدہ جاننے اور جملہ اسمیہ خبریہ یا اسمیہ فعلیہ خبریہ جاننے کے لیے ترکیبِ نحوی کی ضرورت پڑتی ہے۔ گویا کہ ترکیبِ نحوی ایک قسم کی نثری تقطیع ہے۔ یہ اسی وقت ممکن ہو گی جب قوعد پر دسترس ہو گی۔

اب ترکیبِ نحوی کی طرف آتے ہیں۔

1- ہے نیک اسلم

فعل ناقص مُسند مُسند الیہ

2- تھا ابر آلود موسم

فعل ناقص مُسند مُسند الیہ

3- ہو گا کڑوا آم

فعل ناقص مُسند مُسند الیہ

ترکیبِ نحوی سے معلوم ہوا کہ تینوں جملے اسمیہ یا اسمیہ خبریہ ہیں۔ کیوں کہ اس میں مُسند، مُسند الیہ اور فعل ناقص آئے ہیں۔

درج بالا جملوں کی ترکیبِ نحوی جملوں کی ترتیب کے مطابق بھی کی جاسکتی ہے۔ جیسے:

اسلم نیک ہے

مُسند الیہ مُسند فعل ناقص

وغیرہ۔

یاد رہے فعل ناقص وہ فعل ہوتا ہے جو کسی پر اثر انداز تو نہ ہو بلکہ کسی اثر کو ثابت کرے۔

ہے۔ ہیں۔ ہو۔ تھا۔ تھی۔ تھے۔ ہونا۔ ہو گیا۔ گیا۔ گئی۔ گئے وغیرہ افعالِ ناقص ہیں۔

2-جملہ اسمیہ فعلیہ خبریہ:

اس کی مختصر پہچان یہ ہے ایسے جملے میں فعل کا ذکر ہوتا ہے۔

جملہ تام ایسا جملہ ہے جس میں کسی کام کا ذکر اس کے فاعل اور مفعول کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ ایسے جملے میں فاعل فعل اور مفعول تینوں کا ذکر کیا جاتا ہے۔ یاد رہے ایسے جملوں کے آخر میں فعل ناقص نہیں ہوتا بلکہ فعل تام ہوتا ہے۔

یہ بھی یاد رہے اگر جملے میں فعل لازم آئے تو پھر علامتِ فاعل نہیں آئے گی۔ جیسے:

احمد آیا، وہ مسکرایا، آپ گئے وغیرہ۔

ایسی صورت میں فاعل اور فعل سے مل کر جملہ اسمیہ فعلیہ خبریہ بنے گا۔ جیسے:

احمد آیا کی ترکیبِ نحوی:

آیا احمد

فعل فاعل

وہ مسکرایا کی ترکیبِ نحوی:

مسکرایا وہ

فعل فاعل

اگر جملے میں فعل متعدی آئے تو پھر علامتِ فاعل "نے" آئے گی۔ جیسے:

احمد نے سبق پڑھا۔ اس نے خط لکھا وغیرہ۔

اب ان کی ترکیبِ نحوی:

پڑھا فعل: سبق مفعول

نے احمد

علامتِ فاعل فاعل

اس کی ترکیبِ نحوی جملے کی ترتیب کے مطابق بھی کی جاسکتی ہے۔ جیسے:

احمد نے

فاعل علامتِ فاعل

سبق پڑھا

مفعول فعل

یہ صرف فعل ماضی مطلق میں ہی ہو گا۔

جملہ اسمیہ فعلیہ خبریہ کی مزید مثالیں:

1- ہم نے سبق پڑھا۔

2- اس نے کپڑے دھوئے۔

اب ترکیبِ نحوی (جملوں کی ترتیب سے)

1- ہم نے

فاعل علامتِ فاعل

سبق پڑھا

مفعول فعل

2- اس نے

فاعل علامتِ فاعل

کپڑے دھوئے

مفعول فعل

فعل اپنے فاعل اور علامتِ فاعل سے مل کر جملہ اسمیہ فعلیہ خبریہ ہوا۔

مرکب جملے

یہ ایسے جملے ہوتے ہیں جو دو مختلف جملے ملا کر ایک جملہ بنایا جاتا ہے۔ جیسے:

1-اکبر آیا اور اخبار پڑھنے لگا۔

2-اس نے چور دیکھا تو شور مچانا شروع کر دیا۔

وضاخت:

جملہ شمار 1:

اکبر آیا (ایک جملہ)

اخبار پڑھنے لگا (دوسرا جملہ)

اور (حرفِ عطف)

یہ تینوں ملا کر ایک مرکب جملہ بنالیا گیا۔

2-اس نے چور دیکھا (پہلا جملہ)

شور مچانا شروع کر دیا (دوسرا جملہ)

تو (حرفِ جزا)

یہ تینوں ملا کر ایک مرکب جملہ بنالیا گیا۔

اب ایک قدرے بڑے جملے کی ترکیبِ نحوی

جملہ:

اسلم نے بازار سے سستی کرسی خریدی

ترکیبِ نحوی=

اسلم فاعل

نے علامتِ فاعل

بازار مجرور

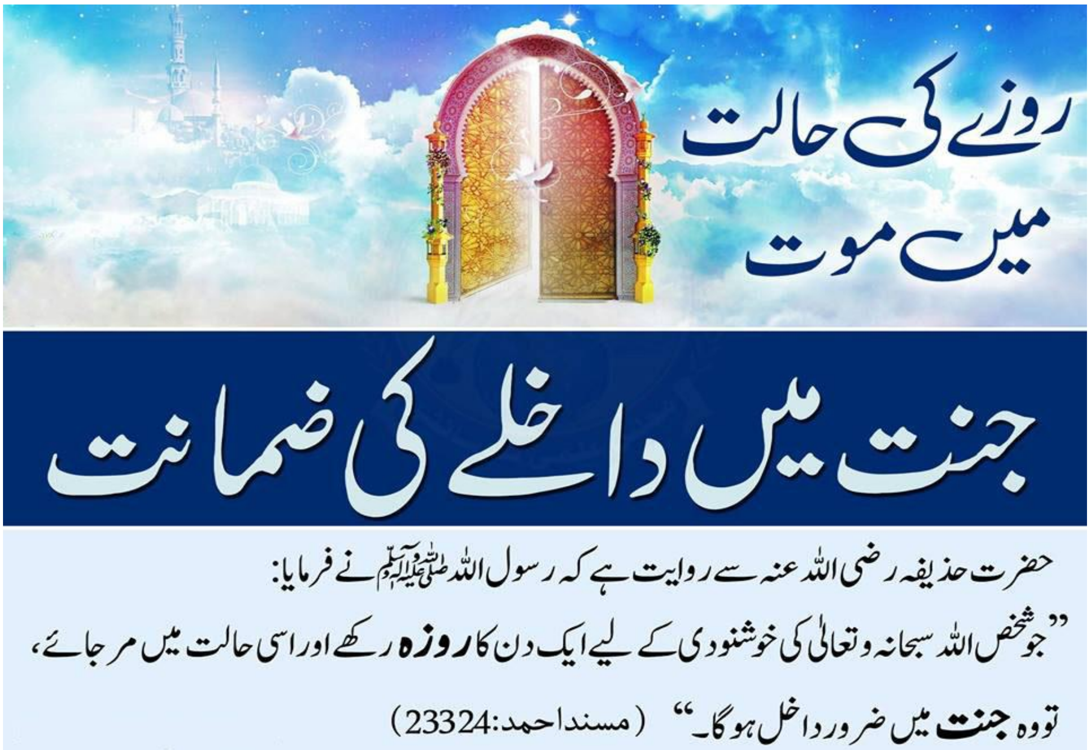
سے حرفِ جار (جار مجرور مل کر متعلق فعل ہوئے)

سستی صفت

کرسی موصوف (مفعول)

خریدی فعل

فاعل اپنے فعل اور مفعول سے مل کر جملہ اسمیہ فعلیہ خبریہ ہوا۔



مترادفات القرآن



محترمہ طاہرہ فاطمہ صاحبہ

آزاد کرنا۔

آزاد کرنا کے لیے **تحریر**، **طلاق** اور **تسریح** کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔

1: تحریر

اس کا اصل حرّ ہے اور اس کے مادہ میں دو باتیں پائی جاتی ہیں۔ (1) آزاد ہونا (2) عیب و نقص سے پاک ہونا (م ل) حر کی ضد "عبد"، معنی غلام ہے۔ اور حرر (تحریرا) کے معنی غلام کو آزاد کرنا۔ گویا یہ لفظ صرف غلام کو آزاد کرنے کے لیے مخصوص ہے۔ ارشاد باری ہے:

وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَـًٔا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖٓ (سورۃ النساء آیت 92)

اور کسی مومن کو شایاں نہیں کہ دوسرے مومن کو مار ڈالے مگر غلطی سے ایسا کر بیٹھے۔ اور جو غلطی سے بھی مومن کو مار ڈالے تو وہ ایک تو ایک مسلمان غلام آزاد کر دے اور مقتول کے وارثوں کو خون بہا دے۔

2:طلاق

اس کے مادہ **طلق**، میں دو باتیں پائی جاتی ہیں (۱) تخلیہ (۲) ارسال (م ل)- گویا کسی ذی حیات کو، جو اپنے کنٹرول اور نگہداشت میں ہو، اس سے کنٹرول اٹھالینا اور اپنے ہاں سے روانہ کر دینا اس کا معنی ہے اور اس لفظ کا استعمال بالعموم اپنی بیوی کو نکاح کے بندھن سے آزاد کرنے اور رخصت کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ تاہم یہ ضروری نہیں کہ دونوں باتیں ایک ساتھ ہی پائی جائیں۔ ارشاد باری ہے:

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ (سورة البقرة آیت 229)

طلاق دو بار ہے

اب یہ تو ظاہر ہے کہ ایک یا دو مرتبہ کی طلاق میں تخلیہ تو پایا جاتا ہے لیکن رخصتی نہیں ہے۔ اسی طرح قیدی کو آزاد کرنے کے لیے بھی طلاق کا لفظ استعمال ہوتا ہے اگر قرآن کریم میں اس کی مثال موجود نہیں تو یہاں بھی تخلیہ یا اپنے حق سے دستبرداری کی شرط موجود ہے لیکن ارسال کرنے کی نہ ضرورت ہے اور نہ شرط جس کا مطلب یہ ہے کہ طلاق میں اصل شرط تخلیہ کی ہے۔ اور ارسال کی شرط بعض اوقات جیسے تیسری مرتبہ کی طلاق میں یہ شرط لازمی ہے اور بعض اوقات معدوم ہوتی ہے جیسے پہلی یا دوسری بار کی طلاق میں۔

3:تسریح

سرح سے مشتق ہے۔ جس کے معنی ہیں مویشی کا چرنے کے لیے لے جانا اور **اسرح** بمعنی اونٹ یا مویشیوں کو چرنے کے لیے بھیجنا (منجد) بعد میں اس کا اطلاق مویشیوں کو چراگاہوں میں کھلا چھوڑ دینے پر ہونے لگا (م ا) چنانچہ قرآن کریم میں ہے:

وَلَكُمْ فِيْهَا جَمَالٌ حِيْنَ تُرِيْحُوْنَ وَحِيْنَ تَسْرَحُوْنَ (سورة النحل آیت 6)

اور جب شام کو انہیں جنگل سے لاتے ہو اور جب صبح کو جنگل چرانے لے جاتے ہو تو ان سے تمہاری عزت و شان کا اظہار ہوتا ہے۔

گویا **تسریح** کا بنیادی معنی رخصت میں سہولت کو ملحوظ رکھنا ہوتا ہے اور اس میں بندھن کی گرفت ایسی مضبوط نہیں ہوتی جیسی طلاق کے مفہوم میں پائی جاتی ہے۔ نیز تسریح کا لفظ عام ہے جبکہ طلاق کا لفظ قریباً عورت ہی سے مختص ہو کر رہ گیا ہے۔ البتہ یہ تسریح اگر عورت سے متعلق ہو (**تسریح المراۃ**) تو پھر اس کے معنی عورت کو طلاق دے کر رخصت میں آسانی ملحوظ رکھنا (م ا) ہوں گے۔ ارشاد باری ہے:

فَاِمۡسَاكٌۢ بِمَعۡرُوۡفٍ اَوۡ تَسۡرِيۡحٌۢ بِاِحۡسَانٍ (سورۃ البقرۃ آیت 229)

تو پھر عورتوں کو یا تو بطریق شائستہ نکاح میں رہنے دینا ہے یا بھلائی کے ساتھ چھوڑ دینا۔

دوسرے مقام پر فرمایا:

يٰۤاَيُّهَا النَّبِىُّ قُلْ لِّاَزۡوَاجِكَ اِنۡ كُنۡتُنَّ تُرِدۡنَ الۡحَيٰوةَ الدُّنۡيَا وَزِيۡنَتَهَا فَتَعَالَيۡنَ اُمَتِّعۡكُنَّ وَاُسَرِّحۡكُنَّ سَرَاحًا جَمِيۡلًا (سورۃ الاحزاب آیت 28)

اے پیغمبر اپنی بیویوں سے کہدو کہ اگر تم دنیا کی زندگی اور اسکی زینت و آرائش چاہتی ہو تو آؤ میں تمہیں کچھ مال دوں اور اچھی طرح سے رخصت کر دوں۔

ماحصل:

تحریر کا لفظ صرف غلام کو آزاد کرنے کے لیے مخصوص ہے۔

الطلاق اور **تسریح** دونوں لفظ صورت کی جدائی یا عام مفہوم میں "طلاق" کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔ **الطلاق** میں تخلیہ ضروری اور ارسال جزوی شرط ہے جبکہ تسریح میں لازمی جزارسال ہے اور وہ بھی آسانی و سہولت کو مد نظر رکھتے ہوئے۔

آزمائش کرنا۔

آزمائش کے لیے **امتحن** (**محن**) **بلی** اور **ابتلی** (**بلو**) اور **فتن** کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔

1:امتحن:

امتحان ایسی آزمائش کو کہتے ہیں جو سختی کے بجائے نرمی سے کی جائے اور اس میں کشائش کا پہلو بھی شامل ہو (م ا) اور بسا اوقات اس آزمائش سے پیشتر امتحان دہندہ کو زیر تعلیم و تربیت بھی رکھا جاتا ہے۔ ارشاد باری ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا جَاۗءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ ۭ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِهِنَّ ۚ فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ ۭ (سورۃ ممتحنۃ آیت 10)

اے ایمان والو! جب تمہارے پاس مومن عورتیں ہجرت کر کے آئیں تو انہیں اچھی طرح جانچ لیا کرو، اللہ اُن کے ایمان (کی حقیقت) سے خوب آگاہ ہے، پھر اگر تمہیں اُن کے مومن ہونے کا یقین ہو جائے تو انہیں کافروں کی طرف واپس نہ بھیجو

2:بلی (یبلو، بلاء)

بلاء ایسی آزمائش ہے جس میں سختی اور شدت پائی جائے صاحب منتہی الارب اس کے معنی "سختی و دریافتن چیزے و کشف آں" بتلاتے ہیں (م ا) اور یہ آزمائش خیر و شر دونوں صورتوں میں ہو سکتی ہے۔ ارشاد باری ہے:

وَبَلَوْنٰهُمْ بِالْحَسَنٰتِ وَالسَّيِّاٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ (سورۃ اعراف آیت 168)

اور ہم آسائشوں اور تکلیفوں دونوں سے انکی آزمائش کرتے رہے تاکہ ہماری طرف رجوع کریں۔

تاہم آزمائش چونکہ عموماً تکلیف دہ ہوتی ہے اس لیے شر کے پہلو میں استعمال زیادہ ہوتا ہے۔ مثلاً

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ۭ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ (سورۃ البقرۃ آیت 155)

اور ہم کسی قدر خوف اور بھوک اور مال اور جانوں اور میووں کے نقصان سے تمہاری آزمائش کریں گے اور صبر کرنے والوں کو بشارت سنا دو۔

اور ابتلی کے معنی کسی چیز کو الٹ پلٹ کرنا یا حالات کو دگرگوں کر کے جانچنا ہوتا ہے، ارشاد باری ہے:

اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ ڰ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًۢا بَصِيْرًا (سورۃ الدھر آیت 2)

بے شک ہم نے انسان کو مخلوط نطفہ سے پیدا فرمایا جسے ہم (تولّد تک ایک مرحلہ سے دوسرے مرحلہ کی طرف) پلٹتے اور جانچتے رہتے ہیں، پس ہم نے اسے (ترتیب سے) سننے والا (پھر) دیکھنے والا بنایا ہے۔

پھر **ابتلاء** عموماً کسی اتفاقی حادثہ سے ہوتا ہے۔ ایسے واقعہ سے جسے دوسرے لوگ بھی دیکھ سکیں (مف) دیکھیے درج ذیل آیت:

وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ؕ (سورۃ البقرۃ آیت 124)

اور جب ابراہیم کی اس کے پروردگار نے چند باتوں میں آزمائش کی تو وہ ان میں پورے اترے۔

اور ظاہر ہے کہ یہ باتیں ترک وطن، اولاد کو بے آب و گیاہ میدان میں بے آسرا چھوڑ دینا، بیٹے کی قربانی پر تیار ہو جانا، یا آگ میں داخل ہو جانا وغیرہ تھے جنہیں دوسرے سب لوگ دیکھ سکتے تھے۔

3: فتن

ابتلاء کی طرح اس آزمائش میں بھی سختی پائی جاتی ہے۔ **فتن** کے معنی سونا چاندی کو کٹھیالی میں ڈال کر تپانا گلانا اور کھوٹ معلوم کرنا ہے (منجد) ارشاد باری ہے

يَوْمَ هُمْ عَلَى النَّارِ يُفْتَنُوْنَ (سورۃ الذریات آیت 13)

اُس دن (ہو گا جب) وہ آتشِ دوزخ میں تپائے جائیں گے۔

اور **فتنہ** کا لفظ اکثر بڑے مفہوم میں استعمال ہوتا ہے۔ فتنہ کے معنی آزمائش، دکھ، رنج، رسوائی، دیوانگی، عبرت، عذاب، مرض ہیں (منجد) اسی طرح فتّان کے معنی شر انگیز انسان، چور، شیطان ہیں۔ (منجد) جبکہ ابتلاء میں انسان کی آزمائش ذاتی برائی اور خباثت کے سبب سے نہیں آتی۔ دور ابتلاء اور دور فتن میں جو فرق ہے وہ بالکل واضح ہے۔ ابتلاء میں برا پہلو عموماً قدرتی حوادث سے متعلق ہوتا ہے جبکہ فتنہ میں برا پہلو بسا اوقات انسان کا اپنا پیدا کردہ ہوتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِى الْاَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيْرٌ ؕ (سورۃ انفال آیت 73)

تو مومنو اگر تم یہ کام نہ کرو گے تو ملک میں فتنہ برپا ہو جائے گا اور بڑا فساد مچے گا۔

ابتلاء اور **فتنہ** میں مابہ الامتیاز فرق یہ ہے کہ فتنہ میں عام طور پر آزمائش ایسی چیزوں سے ہوتی ہے جن سے انسان محبت کرتا ہے اور ان سے اس کا دلی لگاؤ ہوتا ہے۔ (م ا) چنانچہ قرآن کریم کی یہ آیت

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اَمْوٰلُكُمْ وَاَوْلٰدُكُمْ فِتْنَةٌ (سورۃ انفال آیت 28)

اور جان رکھو کہ تمہارا مال اور اولاد بڑی آزمائش ہے۔

اسی پر قوی دلیل ہے۔ سورہ بقرہ میں ہاروت اور ماروت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَآ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ (سورة البقرة آيت 102)

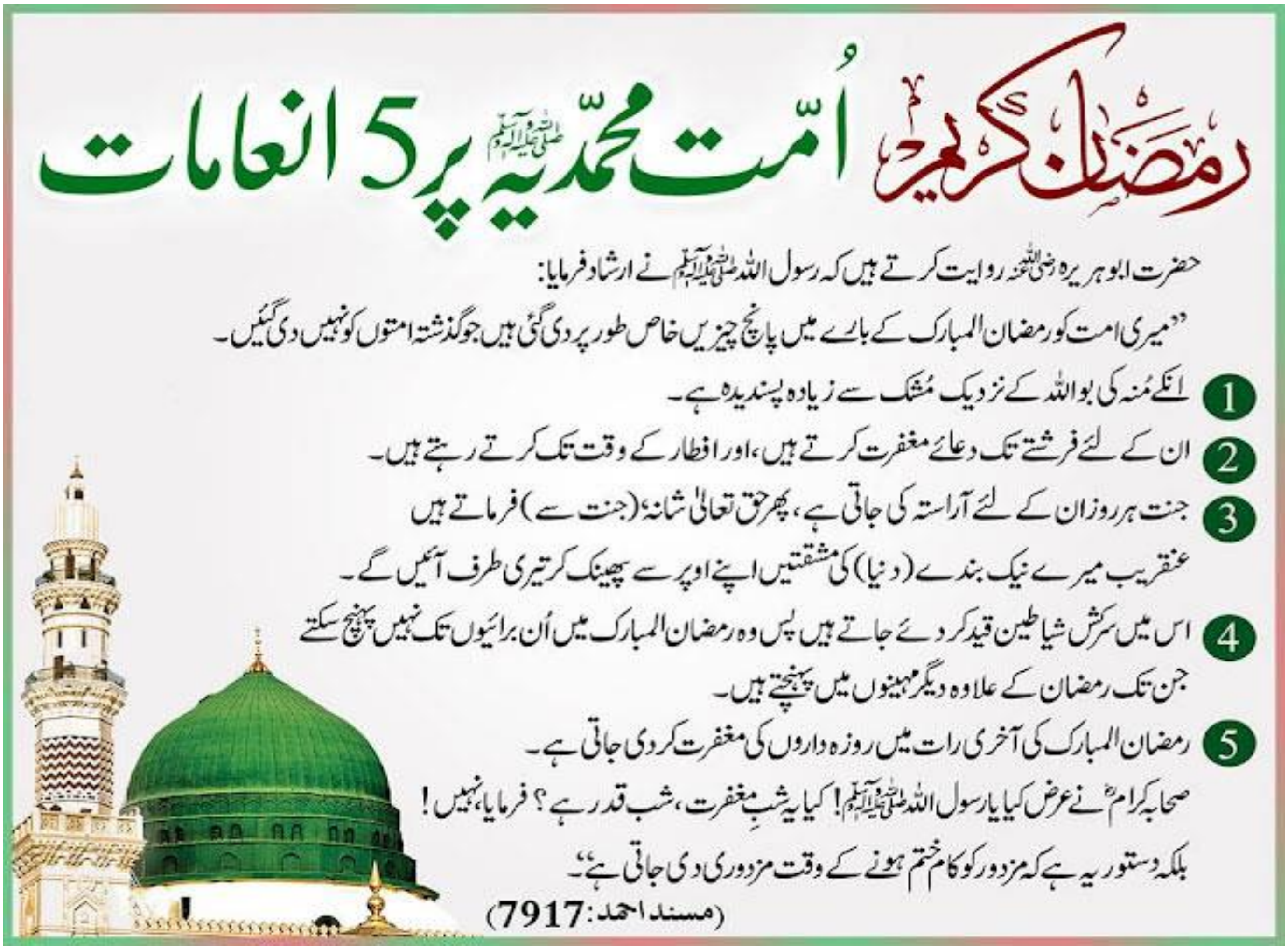
اور وہ دونوں کسی کو کچھ نہیں سکھاتے تھے جب تک یہ نہ کہہ دیتے کہ ہم تو ذریعہ آزمائش ہیں۔ تم کفر میں نہ پڑھو۔

ماحصل:

امتحان: اس آزمائش میں سختی کے بجائے نرمی ہوتی ہے اور اس میں سابقہ تعلیم تربیت کی آزمائش ہوتی ہے۔

بلاء اور ابتلاء یہ آزمائش سخت قسم کی ہوتی ہے اور بالعموم ایسے واقعات سے ہوئی جسے دوسرے بھی دیکھ سکیں یعنی حوادث سے ہوتی ہے۔

فتنہ: فرات خود سخت مگر دل کشی سے ہوتی ہے۔ یعنی بالعموم ایسی چیزوں سے ہوتی ہے جن سے انسان کا دلی لگاؤ ہو۔ دوسرے تو کیا بسا اوقات خود مفتون کو بھی اس آزمائش کا پتہ نہیں چلتا کہ وہ اس میں مبتلا ہے۔



ام المؤمنین سیدہ ام سلمہ رضؓ





محترمہ زنیرہ عقیل صاحبہ

نبیِ کریم صلی اللہ علیہ و سلم نے حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد ام المؤمنین حضرت سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا اور ان کو اسی گھر میں ٹھہرایا جس میں حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا رہا کرتی تھیں۔ آپؓ کا تعلق قریش کے خاندان مخزوم سے تھا۔ آپؓ کی والدہ کا نام عاتکہ بنت عامر بن ربیعہ بن عبد المطلب تھا۔ جو بنو فراس سے تعلق رکھتی تھیں۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے والد ابو امیہ کی سخاوت وفیاضی بڑی مشہور تھی۔ جب بھی وہ کسی سفر میں جاتے تو اپنے تمام ساتھیوں کی کفالت خود کرتے۔ اسی لیے ان کا لقب ''زاد الراکب''یعنی۔''مسافروں کے سفر کا سامان'' پڑ گیا تھا۔

آپ کی ولادت نبیِ کریم صلی اللہ علیہ و سلم کی بعثت سے نو سال قبل عام الفیل میں ہوئی۔ آپ کی پرورش ابو امیہ جیسے سخی باپ کی آغوشِ تربیت میں بڑے ناز و نعم سے ہوئی۔ آپ شادی تک نہایت آرام و آسایش کی زندگی بسر کرتی رہیں۔

قبولِ اسلام اور پہلا نکاح:

ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بھی ان مبارک ہستیوں میں سے ہیں جنہوں نے اسلام کے ابتدائی دور میں اسلام قبول کیا۔ ان کا پہلا نکاح ان کے چچازاد بھائی عبد اللہ بن عبد الاسد سے ہوا تھا جو نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد اور رضاعی بھائی تھے۔ ان سے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے چار بچّے ہوئے۔ جن کے نام ہیں:

"سلمہ، عمر، رقیہ اور زینب"۔

یہ دونوں میاں بیوی اسلام قبول کرنے میں سابقین اولین میں سے تھے۔ ان کے بارے میں لکھا ہے کہ آپ دس شخصوں کے بعد مسلمان ہوئے یعنی آپ گیارہویں مسلمان تھے۔ حضرت ام سلمہؓ اور ان کے شوہر عبد اللہ بن عبد الاسدؓ کے اسلام قبول کرنے کا واقعہ ذیل میں پیش کیا جاتا ہے۔

نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کو ابھی صرف دس افراد نے ہی قبول کیا تھا۔ ایک دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم دارِ اَرقم میں تشریف فرما تھے اور چند ایک دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم بھی موجود تھے۔ اسی دوران عبد اللہ بن عبد الاسدؓ جو زیادہ تر ابو سلمہ کے نام سے مشہور تھے اور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد اور رضاعی بھائی تھے حاضر ہوئے۔ ان کے ساتھ ان کی بیوی ہند (ام سلمہ) بھی تھیں۔

جب نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پھوپھی زاد اور رضاعی بھائی کو ان کی بیوی کے ساتھ دیکھا تو بے حد خوش ہوئے اور فرمایا: "کیسے آئے ہو؟" اور پھر محبت سے اسلام کی دعوت دیتے ہوئے قرآنِ مجید پڑھ کر سنایا۔

قرآن مجید سننے کے بعد حضرت ابو سلمہ عبد اللہ بن عبد الاسدؓ نے کہا: "بھائی کے رشتے سے میرا بھی یہ حق بنتا ہے کہ مَیں بھی اس روشنی سے اپنی روح کو منور کروں جس سے دوسرے فیض حاصل کر رہے ہیں۔" جب یہ الفاظ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سنے تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مبارک چہرہ خوشی سے تمتما اٹھا، حضرت ابو سلمہ نے دوبارہ عرض کی: "ہم دونوں میاں بیوی کو مسلمان کر کے اپنی غلامی میں داخل کر لیجیے۔" اس طرح حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور ان کے شوہر نے اسلام قبول کیا اور ایسی سعادت حاصل کی کہ یہ دونوں میاں بیوی دس کے بعد گیارہویں اسلام قبول کرنے والے کہلائے۔

حبشہ کی طرف پہلی ہجرت:

یوں تو حضرت ام سلمہ اور حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہما کا تعلق عرب کے مشہور و معروف اور بڑے قبیلے سے تھا۔ ان کے والدین کا مقام پورے عرب میں بڑا اونچا تھا۔ لیکن جب انہوں نے اسلام قبول کر لیا تو ان کے رشتے داروں نے ان سے تعلقات توڑ لیے اور انھیں طرح طرح سے اذیت پہنچانے لگے۔ ان پر ایسی ایسی سختیاں کی گئیں کہ جن کے تصور سے دل گھبرا اٹھتا ہے۔ تاریخ و سیرت کی کتابوں میں ایسے واقعات لکھے ہوئے ہیں۔ جیسے جیسے اسلام کے ان متوالوں پر مصیبتوں کے پہاڑ توڑے جاتے ویسے ویسے ان کی اسلام سے محبت اور ثابت قدمی میں اضافہ ہو تا جاتا۔ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان جاں نثاروں نے ہر ظلم و ستم کو ہنس ہنس کر برداشت کیا۔

اعلانِ نبوت کے پانچویں سال رجب المرجب کا مہینہ تھا۔ جب کہ کفار و مشرکین کے ظلم و ستم عروج پا چکے تھے۔ آخر کار نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کی اجازت عطا فرما دی کہ جو مکہ مکرمہ چھوڑ کر جانا چاہے حبشہ چلا جائے کیوں کہ وہاں کا بادشاہ نجاشی بڑا انصاف پسند اور کشادہ قلب ہے۔ لہٰذا گیارہ مردوں اور چار عورتوں پر مشتمل چھوٹا سا قافلہ اپنے وطن مکہ مکرمہ کو الوداع کہتے ہوئے حبشہ کی طرف روانہ ہوا۔

اس قافلے کے امیر حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ تھے۔ اسلام کی اِس سب سے پہلی ہجرت میں حضرت ابو سلمہ بن عبد الاسد رضی اللہ عنہ اور ان کی بیوی حضرت ام سلمہ بنت ابو امیہ رضی اللہ عنہا بھی شامل تھیں۔

اسی دوران حضرت ہند بنت عاتکہ (ام سلمہ) رضی اللہ عنہا اور عبد اللہ بن عبد الاسد (ابو سلمہ) رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے ایک بچہ عطا فرمایا جس کا نام "سلمہ" رکھا گیا۔ یہ بچہ ان دونوں میاں بیوی کو اتنا پیارا تھا کہ اسی کے نام سے یہ دونوں تاریخ کے اوراق میں "ابو سلمہ" اور "ام سلمہ" کی کنیت سے مشہور ہوئے اور ان کا اصل نام پس پشت چلا گیا۔

حبشہ کی طرف دوسری ہجرت:

جزیرۃ العرب میں اسلام بڑی تیزی سے پھیل رہا تھا۔ اس کے ماننے والوں کی تعداد میں دن بہ دن اضافہ ہی ہو تا جارہا تھا۔ کفار و مشرکین نے جب یہ دیکھا تو ان کی دشمنی اور تعصب حد سے بڑھنے لگا۔ انہوں نے مسلمانوں پر اپنے ظلم و ستم کی انتہا کر دی۔ جب نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ مسلمانوں پر مکہ مکرمہ میں چین و سکون سے رہنا دو بھر ہو تا جارہا ہے تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دوبارہ حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت عطا فرما دی۔ یہ اعلانِ نبوت کے چھٹے سال کے شروعات کی بات ہے۔

کفار و مشرکین کو جب اس بات کی خبر ملی تو انہوں نے بہت کوشش کی کہ مسلمان مکہ مکرمہ سے کسی بھی صورت ہجرت نہ کر سکیں۔ انہوں نے مکہ سے نکلنے والے تمام راستوں پر سخت پہرے بٹھا دیے لیکن ان سب کے باوجود ۸۳ مرد اور ۲۰ عورتیں مکہ سے نکلنے میں کامیاب ہو گئے اور حبشہ پہنچ کر سکون و اطمینان کی زندگی بسر کرنے لگے۔ جہاں انہیں ہر قسم کی آزادی حاصل تھی۔ حبشہ کی طرف ہونے والی اس دوسری ہجرت میں بھی حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ اور ان کی بیوی حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا شامل تھیں جنہوں نے اسلام کے لیے دوبارہ اپنا آبائی وطن چھوڑا۔

مدینہ منورہ کی طرف ہجرت:

اعلانِ نبوت کے تیرہویں سال نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کو کو مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کرنے کا حکم دیا۔ چناں چہ مسلمانوں نے مدینے کی طرف ہجرت شروع کی۔ سب سے پہلے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے شوہر حضرت ابو سلمہ بن عبد الاسد رضی اللہ عنہ اور حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ ہجرت کے سفر پر روانہ ہوئے۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور ان کے شوہر حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کا مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کا واقعہ بڑا دردناک ہے۔ خود حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

"جب حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کرنے کا ارادہ فرمایا تو اونٹ پر کجاوہ کس کر مجھے اور سلمہ رضی اللہ عنہ کو اونٹ پر بٹھا دیا اور اس کی نکیل پکڑ کر آگے آگے چلتے رہے جب میرے میکے والوں یعنی قبیلہ بنو مغیرہ کو ہمارے روانہ ہونے کی خبر ہوئی تو انہوں نے حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ تم اپنے بارے میں خود مختار ہو سکتے ہو مگر ہم اپنی بیٹی کو تمہارے ساتھ ہر گز نہیں جانے دیں گے۔"

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: "یہ سُن کر حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ نے کہا:

"ام سلمہ میری بیوی ہے مَیں اسے لے کر جہاں چاہوں جا سکتا ہوں۔"

اس پر قبیلے والوں نے کہا کہ: "یہ ہمارا فیصلہ ہے کہ ام سلمہ (رضی اللہ عنہا) تمہارے ساتھ ہر گز ہر گز نہیں جائے گی۔" یہ کہہ کر حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں سے اونٹ کی نکیل چھین لی اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو زبردستی اپنے ساتھ لے گئے۔

حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ نے جاتے جاتے اپنی بیوی حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ: "ام سلمہ! اسلام پر سختی سے ڈٹے رہنا۔" پھر چند نصیحتیں کیں۔

اپنے شوہر کی باتیں سن کر حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ: "آپ مطمئن رہیے جان قربان ہو جاؤں گی مگر اسلام کو مَیں کسی حال میں نہیں چھوڑوں گی۔"

حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ مدینۂ منورہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ اسی دوران حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کے خاندان والے بھی اس جگہ پہنچ گئے۔ جب انہیں پورا ماجرا معلوم ہوا تو وہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے خاندان والوں سے کہنے لگے کہ: "جب تم نے اپنی بیٹی کو ہمارے آدمی سے چھین لیا تو اب ہم اپنے بچّے سلمہ کو کیوں اُس کے پاس رہنے دیں۔"

چناں چہ انہوں نے آگے بڑھ کر حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے بچے کو بھی چھین لیا۔ بچّے کو زبردستی چھیننے میں اس کا ہاتھ اتر گیا اور وہ تیز تیز رونے لگا۔ حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کے خاندان والے سلمہ کو چھین کر لے گئے اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو اُن کے خاندان والے لے گئے اور شوہر مدینے کی طرف ہجرت کر گئے۔ آپ رضی اللہ عنہا سے بیک وقت شوہر اور بچّے کو چھین لیا گیا لیکن کیا مجال تھی کہ اسلام کی اس مقدس خاتون کے ایمان میں ذرّہ بھر بھی کمزوری آئی ہو۔

صبر و استقامت کا مظاہرہ کرتے ہوئے انہوں نے ایک مثال قائم کر دی۔ اصل میں انہیں اللہ رب العزت پر پورا بھروسہ تھا کہ وہ ان قربانیوں کو ضائع نہیں کرے گا بل کہ بہتر صلہ عطا فرمائے گا۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: "بنی مغیرہ نے اپنے اُس آدمی کی سفارش پر مجھے اپنے شوہر (حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ) کے پاس جانے کی اجازت دے دی۔ جب اس بات کی خبر بچّہ کی دادھیال والوں کو لگی تو انہوں نے بچّہ بھی مجھے دے دیا۔"

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو جب ان کا بچہ مل گیا تو انہوں نے تنِ تنہا مدینے کی طرف روانہ ہونے کا ارادہ کیا اور ایک اونٹ تیار کر کے بچّے کو ساتھ لیا اور اکیلے سوار ہو کر مدینۂ منورہ کے لیے نکل پڑیں۔ کوئی مرد ساتھ نہ تھا۔ تین چار میل چلی ہوں گی کہ بنی عبد الدار کے ایک شخص جن کے پاس خانۂ کعبہ کی چابی رہا کرتی تھی "عثمان بن طلحہ" سے ملاقات ہوئی۔ جو اب تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ لیکن نہایت رحم دل اور نیک تھے۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ:"عثمان بن طلحہ نے مجھ سے پوچھا کہاں جاتی ہو؟"--مَیں نے کہا:"اپنے شوہر کے پاس مدینۂ منورہ جارہی ہوں۔"

انہوں نے دوبارہ سوال کیا:"کوئی ساتھ بھی ہے؟"مَیں نے کہا:"اللہ تعالیٰ ہے اور یہ بچّہ ہے۔"

یہ سُن کر عثمان بن طلحہ نے میرے اونٹ کی نکیل پکڑ لی اور آگے آگے چلنے لگے۔ خدا کی قسم! مَیں نے عثمان جیسا شریف آدمی نہیں دیکھا۔ جب منزل پر اترنا ہوتا تو وہ اونٹ بٹھا کر کسی درخت کی آڑ میں کھڑے ہو جاتے اور پھر اونٹ کو باندھ کر مجھ سے دور کسی درخت کے نیچے لیٹ جاتے اور جب کوچ کرنے کا وقت ہوتا تو اونٹ پر کجاوہ کس کر میرے پاس لا کر بٹھا دیتے اور خود وہاں سے ہٹ جاتے۔ جب مَیں سوار ہو جاتی تو اس کی نکیل پکڑ کر آگے آگے چل دیتے۔ اسی طرح وہ مجھے مدینۂ منورہ تک لے گئے جب ان کی نظر بنی عمرو بن عوف کی آبادی پر پڑی جو قبا میں تھی تو انہوں نے کہا کہ جاؤ تمہارا شوہر یہیں ہے۔ اس کے بعد وہ سلام کر کے رخصت ہو گئے۔

حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کی وفات:

مدینۂ منورہ پہنچ کر حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اپنے شوہر کے پاس رہنے لگیں اور وہاں ایک لڑکا اور دو لڑکیاں پیدا ہوئیں۔ لڑکے کا نام عمر اور ایک لڑکی کا نام درّہ اور دوسری کا نام زینب رکھا۔

حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ نے جنگ بدر میں شرکت کی اپنی جواں مردی کے جوہر دکھائے اور غازی بن کر لوٹے۔ دوبارہ جنگ احد میں بھی شریک ہوئے اس معرکے میں آپ کے بازو میں دشمن کا ایک تیر ایسا لگا کہ آپ بہت زیادہ زخمی ہو گئے۔ ایک مہینے تک علاج چلتا رہا۔ جس کی وجہ سے آپ کا زخم کچھ حد تک بھر گیا۔ اسی دوران سریۂ قطن کا واقعہ پیش آیا۔ نبیِ مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ایک دستہ کا امیر بنا کر روانہ فرمایا۔ جنگ سے واپسی پر آپ کا پرانا زخم ہرا ہو گیا اور اسی کے اثر سے جمادی الاخریٰ ۴ھ میں آپ نے وفات پائی۔

حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ نے اپنی پوری زندگی اسلام کی حفاظت اور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفاداری اور جاں نثاری میں بسر کی اور ایک مثالی کردار ادا کیا۔ آپ کی نمازِ جنازہ خود رسولِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھائی۔

نبیِ کریم ﷺ کا ام سلمہؓ سے نکاح:

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو اپنے پہلے شوہر حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ سے بے پناہ محبت و الفت تھی۔ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے ان سے کہا کہ مَیں نے سنا ہے کہ اگر مرد اور عورت دونوں جنتی ہوں اور عورت مرد کے بعد کسی سے نکاح نہ کرے تو وہ عورت جنت میں اسی مرد کو ملے گی۔ اسی طرح مرد اگر دوسری عورت سے نکاح نہ کرے تو وہی عورت اسے ملے گی۔ اس لیے آؤ ہم عہد کریں کہ ہم میں سے جو پہلے اس دنیا سے چلا جائے وہ دوسرا نکاح نہ کرے۔

یہ سُن کر حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''تم میرا کہا مان لو گی؟'' حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: ''ماننے کے لیے ہی مشورہ کر رہی ہوں۔''

حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''تم میرے بعد نکاح کر لینا۔''

اس کے بعد حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا دعا مانگا کرتی تھیں کہ یا اللہ! مجھے ان سے بہتر شوہر عطا فرما۔ لیکن پھر سوچتیں کہ ابو سلمہ سے بہتر اور کون ہو گا؟ اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ اپنے اعلیٰ اخلاق و کردار کی وجہ سے ان کی نظروں میں ایک مثالی شوہر کی حیثیت رکھتے تھے۔ انہیں کیا پتا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کے لیے کیسے عظیم ترین شوہر کا انتخاب کر رکھا ہے؟

شوہر کے انتقال کے وقت حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا حمل سے تھیں۔

ایک لڑکی پیدا ہوئی جس کا نام زینب رکھا گیا۔ اس کی ولادت پر عدت بھی ختم ہو گئی۔ عدت گذر جانے کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کرنے کا پیغام بھیجا تو انہوں نے معذرت طلب کر لی۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ ان کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بھی اُن کو نکاح کا پیغام بھیجا لیکن اس مرتبہ بھی انہوں نے عذر پیش کر دیا۔

چند دنوں کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے نکاح کا پیغام لے کر آئے۔ اس پر انہوں نے یہ عذر کیا کہ میرے بچے زیادہ ہیں، میری عمر بھی زیادہ ہے، کوئی میرا وارث بھی نہیں اور میرے مزاج میں غیرت بھی بہت ہے۔ اس کے جواب میں نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب بھیجا کہ عمر کی بات تو یہ ہے کہ میری عمر تم سے زیادہ ہے۔

اور بچوں کا اللہ نگہبان ہے ان کی پرورش میں تمہیں کوئی مشکل نہیں ہو گی۔ مَیں بھی ان کا خیال رکھوں گا۔ اور اللہ سے دعا کروں گا کہ تمہاری غیرت والی بات جاتی رہی ہے۔ تمہارا کوئی ولی میرے ساتھ رشتے کو ناپسند نہیں کرے گا۔

اس کے بعد حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے یہ پیغام قبول کر لیا۔ چناں چہ شوال ۴ھ کی آخری تاریخوں میں آپ کا نکاح نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہو گیا۔ اور اس طرح آپ کی دعا اعلیٰ ترین انداز میں قبولیت کے منصب پر فائز ہوئی۔ اور آپ "ام المؤمنین" کے لقب سے سرفراز ہوئیں۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جب نکاح ہو گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اسی حجرے میں ٹھہرایا جس میں ام المساکین حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا رہا کرتی تھیں۔ انہوں نے وہاں دیکھا کہ ایک مٹکے میں جَو رکھے ہیں اور ایک چکّی اور ہانڈی بھی موجود ہے۔ لہٰذا خود جَو پیسے اور چکنائی ڈال کر مالیدہ بنایا اور پہلے ہی دن نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مالیدہ کھلایا جسے خود اپنے ہاتھوں سے بنایا تھا۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی دانش مندی:

ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بڑی دانش مند اور سمجھ دار تھیں۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر جب نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کفارِ مکہ سے صلح کے بعد صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرف سے ایک معاملہ پیش آیا تو وہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی بہترین رائے سے ہی حل ہوا۔

واقعہ کچھ اس طرح ہے کہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم ٦ھ میں اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ عمرہ کے لیے مدینۂ منورہ سے مکۂ معظمہ کے لیے روانہ ہوئے۔

مکہ کے مشرکین کو اس بات کی خبر ہوئی تو انہوں نے مزاحمت کی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حدیبیہ کے مقام پر رکنا پڑا۔ جاں نثار صحابہ رضی اللہ عنہم چوں کہ اپنے آقا نبیِ مکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنی جان قربان کرنے کے لیے تیار تھے۔ اس لیے اس موقع پر وہ جنگ کرنے پر آمادہ ہو گئے۔

لیکن نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لڑائی کی بجائے صلح کرنا پسند فرمایا۔ اس وقت صحابہ رضی اللہ عنہم جنگ کے لیے بالکل تیار تھے۔ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی رعایت کے ساتھ کفارِ مکہ سے صلح فرمائی تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی ہر شرط قبول فرمالی جو ظاہر میں مشرکین کے لیے فائدے مند اور مسلمانوں کے لیے نقصان دہ لگ رہی تھی۔

صلح کی شرائط میں سے ایک یہ بھی تھی کہ اس سال مسلمان عمرہ نہیں کریں گے آیندہ سال عمرہ کے لیے آسکتے ہیں۔ صلح نامہ سے فارغ ہو کر نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم سے ارشاد فرمایا کہ اپنے احرام کھول دو، قربانی کے جانور ذبح کرلو اور اپنے سر منڈوالو۔ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جو اپنے آقا سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر مر مٹنے کے جذبات سے سرشار تھے۔ ان کی طبیعتیں اس بات پر آمادہ نہ ہوئیں کہ ہم بغیر عمرہ کیے مدینۂ منورہ واپس چلے جائیں۔

لہٰذا اپنے پیارے نبیِ مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانے پر کوئی بھی نہ اٹھا۔ یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ حکم دیا جب کسی نے بھی اس پر عمل نہ کیا تو نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے اور ان سے واقعہ ذکر فرمایا۔ ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی:

”یارسول اللہ! کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ سب احرام کھول دیں؟ تو پھر ایسا کریں کہ آپ باہر نکل کر کسی سے کوئی بات نہ کریں اور اپنے جانور ذبح فرمادیں اور بال مونڈنے والے کو بلا کر اپنے بال مونڈا لیں۔“

چناں چہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی کیا اور باہر نکل کر اپنا جانور ذبح کر دیا اور بال منڈا لیے۔ جب جاں نثار اور وفادار صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اپنے آقا رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو بے تابانہ وہ بھی آگے بڑھے اور اپنے اپنے احرام کھول دیئے اور اپنے اپنے جانور ذبح کر ڈالے اور آپس میں ایک دوسرے کا سر مونڈنے لگے۔

ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی اس رائے کے بارے میں جس سے یہ معاملہ حل ہوا حضرت حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ: ”حدیبیہ کے موقع پر نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے رائے دینے سے یہ پتا چلتا ہے کہ وہ بڑی عقل مند اور ٹھیک رائے رکھنے والی خاتون تھیں۔“

صلح حدیبیہ میں نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کفارِ مکہ کی تمام شرائط مان لی تھیں، جو کہ بہ ظاہر مسلمانوں کے لیے نقصان دہ محسوس ہو رہی تھیں۔ لیکن آیندہ سال یوں ہوا کہ مکہ فتح ہو گیا اور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بڑی شان و شوکت سے مکۂ مکرمہ میں داخل ہوئے۔ صلح حدیبیہ میں کفار کی شرائط کا تسلیم کر لینا دراصل نبیِ

کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلیٰ ترین سیاسی تدبر کو ظاہر کرتا ہے۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہمانے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے خوب علوم سیکھے اور ان کو عام کیا۔

ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آگئیں تو انہوں نے اسے بہت بڑی سعادت مندی تصور کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مصاحبت کو غنیمت جانا۔ آپ اچھے قوتِ حافظہ کی مالکہ تھیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو بھی ارشاد فرماتے انھیں اپنے ذہن میں محفوظ کرتی جاتیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوالات کرکے اپنے علم میں اضافہ کرتیں۔

ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہانے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے علوم سیکھے ہی نہیں بل کہ ان کو خوب پھیلایا بھی۔ حدیث میں ان کے شاگردوں میں صحابہ بھی تھے اور تابعین بھی(رضی اللہ عنہم)۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو بھی بعض سیرت نگاروں نے ان کے شاگردوں میں شمار کیا ہے۔ حدیث شریف کی کتابوں میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے جو روایتیں ملتی ہیں ان کی تعداد ۳۷۸/ ہیں۔ آپ کا شمار محدثین کے تیسرے طبقے میں ہوتا ہے۔

محمود بن لبید فرماتے ہیں کہ: ”نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سب ہی ازواجِ مطہرات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کو سن کریاد کرتی تھیں لیکن ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ اور ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہما کی ہم پلہ اس میں کوئی اور بیوی نہ تھی۔“

مروان بن الحکم ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مسائل دریافت کیا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم کسی اور سے کیوں پوچھیں جب کہ ہمارے درمیان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں موجود ہیں۔ سیرت کی کتابوں میں آتا ہے کہ اگر ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے فتاویٰ جمع کیے جائیں تو خاصی تعداد میں جمع ہوسکتے ہیں اور ان کے مجموعہ کا ایک رسالہ بن سکتا ہے۔

آپ سے بڑے بڑے صحابہ رضی اللہ عنہم نے حدیث کا علم حاصل کیا۔ جن کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ چند ایک کے نام یہ ہیں:

حضرت عبد الرحمن بن ابو بکر، اسامہ بن زید، ہند بن الحارث الفراسیہ، صفیہ بنت شیبہ، عمرو زینب (اولادِ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا)، مصعب بن عبد اللہ (حضرت ام سلمہ کے بھائی)، بنہان (غلام مکاتب)، عبد اللہ بن رافع، شعبہ، ابو بکیر، خیرہ والدہ حسن بصری، سلیمان بن یسار، ابو عثمان الہندی، حمید، سعید بن مسیب، ابو وائل، صفیہ بنت محصن، شعبی، عبد الرحمن ابن حارث بن ہشام، عکرمہ، ابو بکر بن عبد الرحمن، عثمان بن عبد اللہ ابن موہب، عروہ بن زبیر، کریب مولیٰ ابن عباس، قبیصہ بن زویب رضوان اللہ علیہم اجمعین وغیرہ۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی چند احادیث:

ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سننے کا بہت شوق تھا۔ آپ سے روایت کردہ حدیثیں جو کتابوں میں موجود ہیں ان میں سے چند ایک درج کی جاتی ہیں:

ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ مَیں نے ایک مرتبہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا: "دنیا کی عورتیں بہتر ہیں یا حوریں؟"

نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "دنیا کی عورتیں۔"

مَیں نے عرض کی: "یارسول اللہ! کس وجہ سے؟

ارشاد فرمایا کہ: "اس لیے کہ اِن عورتوں نے نمازیں پڑھی ہیں، روزے رکھے ہیں اور عبادتیں کی ہیں۔

ایک مرتبہ ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ: "یارسول اللہ! مَیں اپنے سر کی مینڈھیاں سختی سے باندھتی ہوں تو کیا غسل جنابت کے لیے ان کو کھولا کروں؟" اس پر نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "نہیں! بس اتنا کافی ہے کہ تم اپنے سر پر تین بار لپ بھر کر پانی ڈال لیا کرو (جس سے بالوں کی جڑیں تر ہو جائیں) اس کے بعد (سارے بدن پر) پانی بہا لیا کرو۔ ایسا کرنے میں پاک ہو جاؤ گی۔" (مسلم شریف)

ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا روایت فرماتی تھیں کہ: "نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے سکھایا کہ مغرب کی اذان کے وقت یہ پڑھا کرو:

"اَللّٰهُمَّ اِنَّ هٰذَا قِبَالُ لَيْلِكَ وَاِدْبَارُ نَهَارِكَ وَاَصْوَاتُ دُعَائِكَ فَاغْفِرْلِی۔

اے اللہ! یہ تیری رات کے آنے اور دن کے جانے اور تیرے بلانے کی آوازوں کا وقت ہے سو مجھے بخش دے۔(مشکوٰۃ شریف)

ایک مرتبہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مقدس کاشانے میں تشریف فرما تھے اور آپ کے قریب ہی ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور ام المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں کہ اچانک حضرت عبد اللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ آگئے، وہ چوں کہ نابینا تھے اس لیے یہ سمجھ کر کہ ان سے کیا پردہ کرنا ہے۔ دونوں وہیں بیٹھی رہیں اور پردہ نہ کیا۔

نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:"ان سے پردہ کرو۔" ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا:"یارسول اللہ! کیا وہ نابینا نہیں ہیں؟ ہم کو تو نہیں دیکھ سکتے! پھر پردہ کی کیا ضرورت؟"نبیِ مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب ارشاد فرمایا:"کیا تم دونوں بھی نابینا ہو؟ کیا تم ان کو نہیں دیکھ رہی ہو؟"(مشکوٰۃ وترمذی شریف)

آپ رضی اللہ عنہا فرماتی تھیں کہ:"نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک پناہ لینے والا بیت اللہ میں آکر پناہ لے گا۔ اس سے لڑنے کے لیے ایک لشکر چلے گا اور وہ لشکر ایک میدان میں پہنچ کر زمین میں دھنس جائے گا۔"

مَیں نے عرض کی:"یارسول اللہ! جولوگ اس لشکر میں شریک نہ ہوں گے اور اس لشکر کے حملے کو بُرا سمجھ رہے ہوں گے کیا وہ بھی اس میدان میں ہونے کی وجہ سے ان کے ساتھ دھنسا دیئے جائیں گے؟"نبیِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:" اس لشکر کے ساتھ وہ بھی دھنسا دیئے جائیں گے، لیکن قیامت کے روز ہر ایک کا اپنی اپنی نیت پر حشر ہوگا۔"(مشکوٰۃ شریف)

ایک مرتبہ ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے سوال کیا:"یارسول اللہ! کیا مجھے (اپنے شوہر) ابوسلمہ کی اولاد پر خرچ کرنے سے اجر ملے گا حال آں کہ وہ میری ہی اولاد ہیں۔" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا کہ:"اُن پر خرچ کرو تم کو اس خرچ پر اجر ملے گا۔"(صحیح بخاری)

ایک مرتبہ ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا:"یارسول اللہ! مرد جہاد کرتے ہیں اور عورتیں جہاد نہیں کرتیں اور عورتوں کو مرد کے مقابلے میں آدھی میراث ملتی ہے (اس کا سبب کیا ہے؟)" اس کے جواب میں نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن پاک کی یہ آیت مبارکہ تلاوت فرمائی:

وَلَا تَتَمَنَّوا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ

اور اس کی آرزو نہ کرو جس سے اللہ نے تم میں ایک دوسرے پر بڑائی دی۔

ایک مرتبہ حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے حدیث سنائی کہ:''نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بعض لوگ جو مسلمان سمجھے جاتے ہیں (اور وہ دل سے مسلمان نہیں ہیں) ایسے لوگوں کو اپنی وفات کے بعد مَیں نہ دیکھوں گا اور نہ وہ مجھے دیکھ سکیں گے۔ حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے اور ان کو یہ حدیث سنائی تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ خود ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے گئے اور پوچھا خدا کی قسم! سچ سچ کہنا مَیں ان میں سے تو نہیں ہوں (جن کا ذکر اس حدیث میں ہے) ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:''نہیں۔''

اسی طرح ایک مرتبہ ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طرز پر قرأت کر کے بتائی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایک آیت پر ٹھہرتے تھے، بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھ کر ٹھہرتے پھر الحمد للہ رب العالمین پڑھ کر رکتے، الرحمن الرحیم پڑھ کر توقف فرماتے، پھر مالک یوم الدین پڑھ کر ٹھہرتے۔ غرض یہ کہ اسی طرح نبیِ مکرم صلی اللہ علیہ وسلم علاحدہ علاحدہ آیات کر کے پڑھتے تھے۔ ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی تھیں کہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم مجھے حکم فرماتے تھے کہ ہر مہینے میں تین روزے رکھ لیا کرو۔ جن میں پہلا پیر یا جمعرات ہو۔(ابو داؤد و نسائی)

حضرت ام سلمہ اور امر بالمعروف:

ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی بھی بہت پابند تھیں۔ ایک روز ان کے بھتیجے نے دو رکعت نماز پڑھی۔ چوں کہ سجدہ کی جگہ غبار تھا۔ اس لیے وہ صاحب زادے سجدہ کرتے وقت مٹی جھاڑ دیتے تھے۔ یہ دیکھ کر ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے ان کو روکا اور فرمایا کہ یہ کام نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے کے خلاف ہے۔ ایک مرتبہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک غلام (افلح) نے ایسا کیا تھا تو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا تھا:''اے افلح! اپنا چہرہ مٹی میں ملا۔''(مسند امام احمد)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی وفات:

ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے اپنی تمام زندگی اسلام کی خدمت اور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و فرماں برداری میں بسر کی۔ مدینہ منورہ میں 84 برس کی عمر پا کر آپ نے وفات پائی۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے آپ کی نمازِ جنازہ پڑھائی۔ آپ کے وصال کے سال میں مؤرخین میں اختلاف ہے۔ بعض نے 53ھ بعض نے 59ھ بعض نے 62ھ لکھا ہے اور بعض کا قول ہے کہ آپ کی وفات 63ھ میں ہوئی۔ ازواجِ مطہرات میں سب سے آخر میں آپ ہی نے وفات پائی۔ آپ کا مزار جنت البقیع میں ہے۔(زرقانی ج۳ص۲۳۸)





روزہ کے سائنسی فوائد

محترمہ رعنادلبر صاحبہ

روزہ (فاسٹنگ) ایک ایسا عمل ہے جو صدیوں سے مختلف مذاہب اور ثقافتوں میں روحانی اور جسمانی پاکیزگی کے لیے اپنایا جاتا رہا ہے۔ اسلام میں رمضان المبارک کے مہینے میں روزہ رکھنا فرض ہے، لیکن جدید سائنس نے بھی روزہ کے متعدد طبی فوائد کو دریافت کیا ہے۔

1. میٹابولک صحت میں بہتری:

روزہ رکھنے سے انسولین کی حساسیت بہتر ہوتی ہے، جس سے بلڈ شوگر لیول کنٹرول میں رہتا ہے۔ جب ہم روزہ رکھتے ہیں تو جسم میں گلوکوز کی سطح کم ہو جاتی ہے، جس کے نتیجے میں انسولین کی ضرورت کم ہوتی ہے۔ یہ عمل ذیابیطس کے مریضوں کے لیے بہت فائدہ مند ہے۔

اس کے علاوہ، روزہ رکھنے سے وزن کم کرنے میں بھی مدد ملتی ہے۔ جب ہم کھانا نہیں کھاتے تو جسم توانائی کے لیے ذخیرہ شدہ چربی کو استعمال کرتا ہے، جس سے وزن کم ہوتا ہے۔

2. سوزش (Inflammation) میں کمی:

سوزش جسمانی بیماریوں کی ایک بڑی وجہ ہے۔ روزہ رکھنے سے جسم میں سوزش کم ہوتی ہے، جو کئی بیماریوں جیسے دل کی بیماری، کینسر اور ذیابیطس کی وجہ بن سکتی ہے۔ تحقیقات سے پتہ چلا ہے کہ روزہ رکھنے سے سوزش کے مارکرز (markers) کی سطح کم ہو جاتی ہے، جس سے جسمانی صحت بہتر ہوتی ہے۔

3. دماغی صحت کے لیے فائدہ مند

روزہ دماغی خلیات (نیورونز) کی حفاظت کرتا ہے اور دماغی افعال کو بہتر بناتا ہے۔ روزہ رکھنے سے دماغ میں BDNF (Brain-Derived Neurotrophic Factor) نامی پروٹین کی پیداوار بڑھتی ہے، جو دماغی خلیات کی نشوونما اور حفاظت کے لیے ضروری ہے۔

یہ عمل ڈیمنشیا اور الزائمر جیسی بیماریوں کے خطرے کو کم کرنے میں مددگار ثابت ہو سکتا ہے۔

4. خلیاتی مرمت (Autophagy)

روزہ رکھنے سے جسم میں آٹوفیجی (Autophagy) کا عمل تیز ہوتا ہے، جس میں خلیات اپنے خراب حصوں کو صاف کرتے ہیں۔ یہ عمل کینسر اور دیگر بیماریوں سے بچاؤ میں مددگار ہے۔ آٹوفیجی کے ذریعے جسم کے خراب اور غیر ضروری خلیات کو ختم کر دیا جاتا ہے، جس سے نئے اور صحت مند خلیات کی پیداوار بڑھتی ہے۔

5. دل کی صحت کے لیے مفید

روزہ رکھنے سے کولیسٹرول، بلڈ پریشر اور ٹرائی گلیسرائیڈز کی سطح کم ہوتی ہے، جو دل کی بیماریوں کے خطرے کو کم کرتا ہے۔ روزہ رکھنے سے جسم میں LDL (خراب کولیسٹرول) کی سطح کم ہوتی ہے، جبکہ HDL (اچھا کولیسٹرول) کی سطح بڑھتی ہے۔

6. مدافعتی نظام کی مضبوطی

روزہ رکھنے سے جسم کے مدافعتی نظام کو تقویت ملتی ہے، کیونکہ یہ پرانے اور کمزور خلیات کو ختم کرتا ہے اور نئے خلیات کی پیداوار کو بڑھاتا ہے۔ اس عمل سے جسم کی بیماریوں سے لڑنے کی صلاحیت بہتر ہوتی ہے۔

7. عمر بڑھنے کے اثرات میں کمی

روزہ رکھنے سے عمر بڑھنے کے عمل کو سست کیا جا سکتا ہے، کیونکہ یہ خلیاتی سطح پر مرمت اور بحالی کے عمل کو تیز کرتا ہے۔ آٹوفیجی کے عمل کے ذریعے جسم کے خراب خلیات کو ختم کر دیا جاتا ہے، جس سے عمر بڑھنے کے اثرات کم ہوتے ہیں۔

8. ذہنی توجہ اور یکسوئی میں اضافہ

روزہ رکھنے سے ذہنی توجہ اور یکسوئی بڑھتی ہے، کیونکہ جسم توانائی کو بہتر طریقے سے استعمال کرتا ہے۔ روزہ رکھنے سے دماغ میں کیمیکلز کی پیداوار بڑھتی ہے، جو ذہنی توجہ اور یادداشت کو بہتر بناتے ہیں۔

9. جگر کی صحت کے لیے مفید

روزہ رکھنے سے جگر کے افعال بہتر ہوتے ہیں اور فیٹی لیور جیسی بیماریوں کے خطرے کو کم کیا جا سکتا ہے۔ روزہ رکھنے سے جگر میں چربی جمع ہونے کا عمل کم ہو جاتا ہے، جس سے جگر کی صحت بہتر ہوتی ہے۔

10. نفسیاتی فوائد

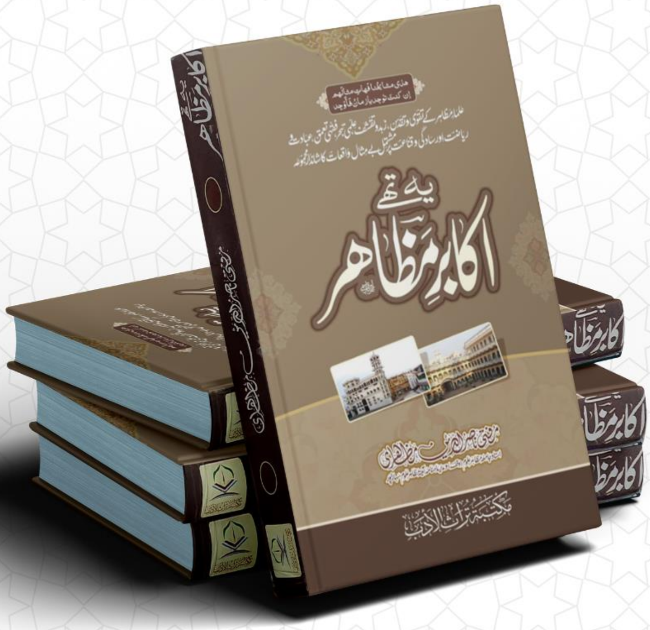
روزہ رکھنے سے صبر، نظم و ضبط اور خود پر قابو پانے کی صلاحیت بڑھتی ہے، جو ذہنی صحت کے لیے بہت فائدہ مند ہے۔ روزہ رکھنے سے انسان اپنی خواہشات پر قابو پاتا ہے، جس سے ذہنی سکون اور اطمینان حاصل ہوتا ہے۔

احتیاط:

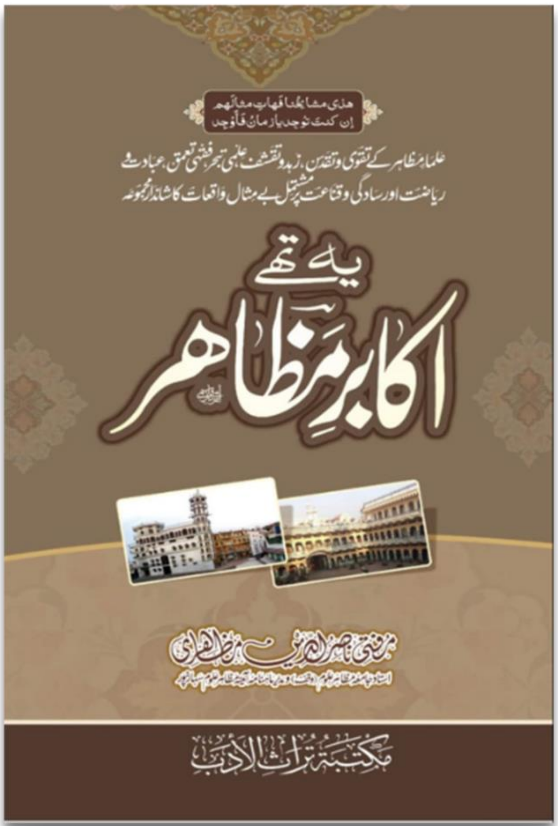
روزہ رکھتے وقت متوازن غذا اور پانی کا استعمال ضروری ہے، خاص طور پر افطار اور سحری کے اوقات میں۔ اگر کسی کو طبی مسئلہ ہو تو روزہ رکھنے سے پہلے ڈاکٹر سے مشورہ کرنا چاہیے۔

نتیجہ:

روزہ نہ صرف روحانی بلکہ جسمانی صحت کے لیے بھی ایک بہترین عمل ہے، جس کے فوائد جدید سائنس نے بھی تسلیم کیے ہیں۔ روزہ رکھنے سے نہ صرف بیماریوں سے بچا جا سکتا ہے بلکہ جسمانی اور ذہنی صحت کو بہتر بنایا جا سکتا ہے۔ اس لیے روزہ کو اپنی زندگی کا حصہ بنانا صحت مند زندگی کی طرف ایک اہم قدم ہے۔



محمد داؤد الرحمن علی (مدیر مجلہ نوائے خادم)



جامعہ مظاہر علوم سہارنپور دنیاء اسلام کی ایک عظیم دینی یونیورسٹی ہے، مظاہر علوم کو یہ اعزاز حاصل ہے جس نے جلیل القدر علماء، مفتیان، محققین، مصنفین، شیوخ الحدیث، اہل علم کی مایہ ناز شخصیات اس ادارہ سے فارغ التحصیل ہیں، یہ ایسی شخصیات ہیں جن کے علم و عمل، تقویٰ کی مثال زمانہ دیتا ہے۔ مظاہر علوم نے امت کو ایسے ایسے علماء دیے جنھوں نے خدمت قرآن، خدمت حدیث، خدمت اسلام، خدمت تبلیغ میں بے مثال خدمات سر انجام دیں۔ مظاہر علوم کے علماء سے صرف وہاں کے قرب و جوار کے لوگوں نے استفادہ حاصل نہیں کیا بلکہ عالم اسلام نے ان علماء کرام سے استفادہ حاصل کیا ہے۔

زیر نظر کتاب "یہ تھے اکابر مظاہر" علماء مظاہر کے تقویٰ و تقدس، علمی، فقہی، عبادت و ریاضت، سادگی اور قناعت پر مشتمل واقعات کا شاندار مجموعہ ہے۔

اس کتاب کو استاد جامعہ مظاہر علوم، مدیر ماہنامہ آئینہ مظاہر علوم حضرت مولانا مفتی ناصر الدین مظاہری صاحب دامت برکاتہم العالیہ نے تصنیف فرمائی ہے، حضرت مفتی صاحب حفظہ اللہ نے اس کتاب میں مظاہر علوم کے اکابرین کے واقعات کو ایک زبردست انداز میں پیش کیا گیا ہے۔

اس کتاب میں لکھے گئے واقعات صرف واقعات ہی نہیں بلکہ ان میں ہمارے لیے سبق بھی ہے جس سے انسان کو بہت کچھ سیکھنے کو اور علماء کو جاننے کا موقع ملتا ہے۔ ہمیں یہ کتاب بتاتی ہے کہ ہمارے اکابرین کیسے تھے۔؟ ان کا طرز زندگی کیا تھا۔؟ لوگوں کے ساتھ کیسے پیش آتے تھے سب آپ کو اس کتاب میں ملے گا۔ کتاب کو دیدہ زیب ٹائیٹل کے ساتھ اور بہترین کاغذ پر شائع کیا گیا ہے۔